المباح

(جائز کاموں میں افراط وتفریط کا حکم)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تمہید وضرورت	۵
۲	آیت کا شانِ نزول	۶
۳	ظاہر کا اثر باطن میں پہنچتا ہے	۷
۴	دل کے آنسو	۸
۵	دوام عمل کا اصلی سبب تقاضائے قلب ہے	۹
۶	تقاضائے قلب کا کمال	۱۰
۹	عمل کی تین قسمیں ہیں	۱۳
۱۰	مباح کی دو قسمیں ہیں	۱۳
۱۱	بعض مباح بدعت کی طرف پہنچا دیتا ہے	۱۳
۱۲	گنگوہ میں اعتراضات کا جواب	۱۴
۱۳	گناہ کا سبب قریب بھی گناہ ہے	۱۴
۱۴	مستحب اور جائز کام بھی اگر گناہ کا سبب بنے تو جائز نہیں	۱۵
۱۵	قرآن پاک سے مسئلہ مذکورہ کی دلیل	۱۶
۱۶	بدعات کے اندر وجہ ممانعت کی تفصیل	۱۷
۱۷	بعض مباح کام میں ابتلاء بواسطہ گناہ کے ہوتا ہے	۱۸
۱۸	مباحات میں زیادہ توسع مضر ہے	۱۹
۱۹	مباحات میں عورتوں کا انہماک	۱۹
۲۰	مباحات میں بعض مردوں کا انہماک	۲۱
۲۱	بعض مباحات میں تنگی بہت کرتے ہیں یہ بھی بُرا ہے	۲۱
۲۲	تجارت میں انہماک	۲۳

۲۳	ترغیب ذکر اللہ	۲۳
۲۴	ذکر وتجارت کا اجتماع	۲۳
۲۵	مرتے وقت کے کلمات کا اعتبار نہیں	۲۴
۲۶	انبیاء علیہم السلام واولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں ہر ایک کی شان جدا ہے	۲۵
۲۷	ایک بزرگ کے استغناء اور تیزی کا قصہ	۲۶
۲۸	مقبول ہونے سے مزاج نہیں بدلتا	۲۶
۲۹	شیون مختلفہ کا اثبات	۲۷
۳۰	صوفیاء کے اس قول کی تشریح کہ ''فلاں قدم موسی پر ہے اور فلاں قدم عیسی پر ہے''	۲۷
۳۱	تتمہ شرح مسئلہ تصوف	۲۸
۳۲	حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت	۲۹
۳۳	مرتے وقت مردے کی بُری حالت پر اسکو بُرا نہ سمجھے	۳۰
۳۴	حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم کی حکایت	۳۰
۳۵	سوتے ہوئے بڑ بڑانے اور خواب کا کچھ اعتبار نہیں	۳۱
۳۶	مباحات میں انہماک کا نقصان	۳۲
۳۷	جائز کاموں میں انہماک کے نقصان کے دلائل	۳۵
۳۸	شرح حدیث	۳۸
۳۹	مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی نفاست مزاج	۳۹
۴۰	تشریح حدیث ((لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ))	۳۹
۴۱	بعض لوگ مباحات کے اندر تنگی بہت کرتے ہیں	۴۱
۴۲	مباحات میں تنگی کرنے والوں کی قرآن سے دلیل	۴۳
۴۳	حکایت	۴۴
۴۴	خلاصہ مقصود	۴۷
۴۵	بقیہ آیت کی تفسیر اور معالجہ قساوت	۴۷
۴۶	خلاصہ وعظ	۴۸

وعظ

المباح

(جائز کاموں میں افراط وتفریط کا حکم)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے یہ وعظ ۲۲/ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ کو جامع مسجد تھانہ بھون میں بروز جمعہ منبر پر تشریف فرما ہو کر دو گھنٹے تک ارشاد فرمایا۔

سامعین کی تعداد تقریباً دو سو تھی۔

مباحات میں افراط وتفریط کی مضرتیں بیان کی گئیں۔ متقی اور دینداروں کے لئے خصوصاً اور طلباء وعلماء کے لئے عموماً زیادہ مفید ہے۔

جناب مولانا عبداللہ صاحب نے قلم بند فرمایا مجمع میں اہل علم طلباء اور عوام سب ہی تھے۔

خلیل احمد تھانوی
یکم شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتو کل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارک وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ اَلَمۡ يَاۡنِ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ لِذِكۡرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلُ فَطَالَ عَلَيۡهِمُ الۡاَمَدُ فَقَسَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ ؕ وَكَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ○ اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يُحۡىِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ قَدۡ بَيَّنَّا لَكُمُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ○﴾ (۱)

تمہید وضرورت

سامعین کو ﴿اَنۡ تَخۡشَعَ﴾ کے لفظ سے خیال ہوا ہوگا کہ شاید خشوع کا بیان ہوگا اور فی نفسہ یہ مضمون بھی ضروری ہے (۲) اور مقصود بھی اس آیت کا یہی ہے۔ لیکن مجھ کو اس سے ایک اور مفید مضمون کا استنباط منظور ہے (۳) اُس کے ضمن میں اگر خشوع کا بھی بیان آ جاوے وہ امر آخر ہے (۴) لیکن وہ مقصودیت کے درجہ میں نہ ہوگا اور وجہ اس

(۱) ''کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا وقت نہیں کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے اور جو دین نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جاویں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاویں جن کو ان کے قبل کتاب ملی تھی پھر اُن پر ایک زمانہ گذر گیا پھر اُن کے دل سخت ہو گئے اور بہت سے آدمی ان کے کافر ہیں۔ یہ بات جان لو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے خشک ہوئے پیچھے زندہ کر دیتا ہے ہم نے تمہارے لئے نظائر بیان کر دیں ہیں تا کہ تم سمجھو'' سورۂ حدید: ۱۶۔۱۷ (۲) اگر چہ یہ مضمون بھی ضروری ہے (۳) ایک مفید مضمون استخراج کر کے بیان کرنے کا ارادہ ہے (۴) وہ دوسری بات ہے۔

کی یہ ہے کہ خشوع کی طرف تو کسی درجہ میں لوگوں میں التفات ہے بھی (۱) اگرچہ جس درجہ میں اس کا اہتمام ضروری ہے اس مرتبہ میں اس کا بھی نہیں لیکن تاہم اس کو مقصود اور محمود اور مطلوب سمجھا جاتا ہے۔ اور جس مضمون کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں وہ ایسا ہے کہ اس کا یا تو علم نہیں اور اگر ہے تو کم ہے اور اس قدر کم ہے کہ اکثر خواص کو بھی اس سے ذہول ہے (۲) اور اس کے فقدان کا نہ کچھ قلق ہے نہ اس کی تحصیل کی طرف توجہ ہے (۳) بلکہ قریب قریب یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ خواص کو اس کا علم ہی نہیں۔ اگرچہ استفتاء کے وقت جواب دے دیں بلکہ میں تو ترقی کر کے کہتا ہوں کہ شاید اس وقت بھی جواب کافی نہ دیں بخلاف خشوع کے کہ اس کی تحصیل کو کسی درجہ میں ضروری تو جانتے ہیں پس لامحالہ یہ مضمون اہم ہوا بہ نسبت خشوع کے۔

آیت کا شانِ نزول

اب اس کی حقیقت سنئے، لیکن اس سے پہلے اس آیت کا شان نزول سن لیجئے اس لئے کہ اس کی حقیقت سمجھنا اس پر موقوف بھی ہے۔ قصہ یہ ہوا تھا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپس میں ہنسنا بولنا شروع کیا تھا اور ظاہر بات ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہنسنا بولنا معصیت کے درجہ میں ہرگز نہ تھا۔ اس لئے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے جری نہ تھے کہ ایک جماعت کی جماعت معصیت میں جان بوجھ کر مبتلا ہوں اور نہ یہ احتمال ہے کہ ان کو معصیت کی خبر نہ ہو اس لئے کہ حق تعالیٰ نے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہوں کی فہرست صاف صاف بتادی تھی۔ حدیث میں ہے: ((الحرام بین والحلال بین وبینهما مشتبهات)) (۴) حلال وحرام میں کسی قسم کا خفاء وغموض نہ تھا (۵) پھر علاوہ اس کے یہ ہے کہ صحابہ کا علم ومعرفت ایسا نہ تھا کہ ان کو کسی معصیت (۶) کے ہونے کی خبر نہ

(۱) خشوع کا تو کچھ نہ کچھ لوگوں کو خیال بھی ہے (۲) اکثر خواص کو بھی اس کا خیال نہیں ہے (۳) اس کے نہ ہونے کا نہ کچھ رنج ہے نہ اس کے حاصل کرنے کی فکر ہے (۴) حرام بھی واضح ہے حلال بھی واضح ہے اور ان کے درمیان مشتبہات ہے (۵) کسی قسم پوشیدگی نہ تھی (۶) گناہ۔

ہو وہ حضرات تو دقائق اور حقائق تک پہنچتے تھے (۱)۔ میرا یہ دعویٰ نہیں کہ کوئی دقیقہ ان سے مخفی نہ تھا (۲) یا یہ کہ وہ معصوم تھے میرے دعوے کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ جس امر (۳) میں ان کی جماعت کی جماعت شریک ہو وہ امر ہرگز معصیت نہ ہوگا۔ پھر یہ کہ ایک جماعت اس میں شریک ہو اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا۔ اگر یہ ہنسنا بولنا معصیت ہوتا تو ضرور اس پر انکار تو ہوتا اور ہنسنا بولنا کوئی ایسا امر مخفی ہے نہیں (۴) کہ کونے میں چھپ کر کرتے ہوں ظاہر ہے کہ کوئی آتا ہے کوئی جاتا ہے یہ سب دلائل وقرائن ہیں اس بات کے کہ یہ ہنسنا بولنا ہرگز معصیت نہ تھا۔ مگر اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جو میں نے اس وقت تلاوت کی ہے اس آیت میں اس فعل کے اثر سے تعرض ہے (۵) خود نفسِ فعل پر کوئی گرفت نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ کیا وہ وقت نہیں آیا ایمان والوں کے لئے کہ اُن کے دل نرم ہو جاویں یعنی کس شئے کا انتظار ہے کیا اُن کے نزدیک ابھی دل کے نرم ہونے کا وقت نہیں پہنچا۔ اور نرم ہونا کس شئے کے واسطے، اللہ کی یاد کے لئے ،اورحق بات نازل ہوئی ہے۔ حق سے مراد وعدہ وعید انذار وتبشیر ہے (۶) یعنی ان امور کا مقتضاء یہ ہے (۷) کہ دلوں کے اندر خشوع ہونا چاہیئے (۸)۔ اور اگر پیدا نہ ہو تو بتکلف پیدا کرنا چاہیئے۔ یعنی خاشعین کی سی شکل بنانی چاہیئے اس سے رفتہ رفتہ خشوع پیدا ہو جائے گا۔

ظاہر کا اثر باطن میں پہنچتا ہے

اس لئے کہ جس طرح باطن ظاہر میں مؤثر ہے اسی طرح ظاہر کا اثر بھی باطن میں پہنچتا ہے۔ جس طرح دل کے اندر اگر غم ہو تو اس کا اثر چہرہ پر نمایاں ہوتا

(۱) مسائل کی حقیقت اور باریکیوں سے خوب واقف تھے (۲) پوشیدہ (۳) کام (۴) ایسا پوشیدہ کام نہیں ہے (۵) اس فعل کا جو اثر مرتب ہوا اس سے بحث ہے (۶) حق سے مراد جنت کی نعمتوں کے وعدے دوزخ کے عذاب سے ڈرانے، ڈر اور خوشی کی خبریں سنانا ہے (۷) ان باتوں کا تقاضا یہ ہے (۸) خوفِ خدا۔

ہے اسی طرح اس کا عکس بھی ہے کہ اگر رونے کی شکل بنالی جاوے تو دل میں بھی کیفیت غم کی پیدا ہوجاوے گی اسی واسطے تو حدیث شریف میں آیا ہے کہ ”اگر رونا نہ آوے تو رونے کی شکل ہی بنالو“ تو شکل بنانا مقصود اصلی نہیں ہے مقصود تو یہ ہے کہ دل میں خشوع پیدا ہو اور اگر خشوع ہے اور رونا نہ آوے تو کچھ حرج نہیں۔

دل کے آنسو

ایک دوست نے مجھ کو لکھا ہے کہ میں جب حج کرنے نہیں گیا تھا تو رونا بھی آتا تھا اور جب سے حج کر آیا ہوں رونا نہیں آتا، اس کا بہت افسوس ہے۔ میں نے لکھا کہ مراد دل کا رونا ہے وہ تم کو حاصل ہے۔

حاصل آیت کا یہ ہے کہ ذکر اللہ: ﴿وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ﴾ کا مقتضاء یہ ہے کہ خشوع ہو[۱] اور حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر خشوع پیدا نہ ہو تو رونے کی شکل بنائے۔ اور آیت میں اس کو بطور استفہام کے فرمایا کہ کیا اس کا وقت نہیں آیا؟ مطلب یہ ہے کہ وقت آنا چاہیئے۔

آگے ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ﴾ الخ۔ یعنی نہ ہوجاویں وہ مثل اُن لوگوں کے کہ جن کو پہلے کتاب دی گئی ہے۔ پس ایک زمانہ دراز اُن پر گزرا اور اُن کے دل سخت ہوگئے۔ یہ ﴿تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ﴾[۲] کے مقابلہ میں بظاہر تو یوں فرماتے: ”اَنْ لَّا تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ“[۳] کہ ایسا نہ ہو کہ قلب میں خشوع نہ رہے یہ نہیں فرمایا بلکہ یہ ارشاد ہے کہ اہلِ کتاب جیسے نہ ہوں کہ ایک زمانہ گزرنے کے بعد اُن کے دل سخت ہوگئے تھے یہ تخویف انذار ہے[۴] کہ اگر تم نے غفلت کی تو تمہارے دلوں کے اندر قساوت نہ ہوجاوے[۵] جس کا اثر یہ ہے: ﴿وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ

(۱) ذکر اللہ سے اور اللہ نے جو حق نازل کیا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ طبیعت میں خشوع پیدا ہو (۲) ان کے دل نرم ہوگئے (۳) ان کے دل نرم نہیں ہوئے (۴) یہ خوف دلانا اور ڈرانا ہے (۵) سختی نہ ہوجائے۔

فٰسِقُوْنَ﴾ کہ بہت سے اُن میں حد سے متجاوز ہیں۔ اس کا اثر ظاہر فرما دینا بڑی رحمت ہے اس لئے کہ جو معاصی ظاہرہ ہیں اُن کو تو برا سمجھتے ہیں مگر قلب کے احوال کی اطلاع کم ہوتی ہے۔ پس اگر یہ اثر ظاہر نہ فرماتے تو اس سے بچنے کا زیادہ اہتمام نہ ہوتا حالانکہ یہ اہتمام اس لئے زیادہ ضروری ہے کہ خود افعال جوارح کا مناط بھی افعال واحوال قلب ہیں(۱)۔

دوامِ عمل کا اصلی سبب تقاضائے قلب ہے

اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔ غور کرنا چاہیئے کہ جو عمل انسان کرتا ہے اس کی وجہ کیا ہے، کیا چیز ہے جو اس کو برانگیختہ (۲) کرتی ہے وہ کیا شے ہے کہ جو اس کو پانچوں وقت نماز کے لئے کھڑا کر دیتی ہے اور کبھی تخلف (۳) نہیں ہوتا ہے بظاہر تو آدمی یہ سمجھتا ہے کہ جب ارادہ کسی کام کا کیا، کرلیا۔ اس کے اندر کسی محرک کی ضرورت نہیں (۴)، یہ بالکل غلط ہے اگر ایسا ہوتا تو ایک آدھ مرتبہ وہ کام ہوتا باقی دواماً اور استمراراً (۵) کوئی عمل نہ ہوتا کیونکہ خود ارادہ ہی کا دوام دشوار ہے(۶) ہاں محض ارادہ سے گاہ گاہ عمل ہو جاتا ہے(۷) لیکن دوام کے لئے کسی اور ہی شئے کی ضرورت ہے(۸) وہ کیا ہے وہ قلب کا تقاضا ہے پس فارق تقاضائے قلبی ہے(۹) جس شئے کا تقاضا قلب میں پیدا ہو گیا ہے اور کیفیت تقاضے کی راسخ ہو گئی ہے(۱۰) وہ کام ہمیشہ ہوتا رہتا ہے اور جس کا تقاضا نہیں ہے اس پر دوام نہیں ہوتا۔

---

(۱) اعضاء کے افعال کا سبب بھی دل کے افعال و احوال ہیں (۲) ابھارتی ہے (۳) اور کبھی اس کے خلاف نہیں ہوتا (۴) ابھارنے والے کی ضرورت نہیں (۵) ہمیشہ اور مستقل طور پر (۶) ارادے کا مستقل رہنا ہی مشکل ہے (۷) کبھی کبھی (۸) عمل میں ہیشگی قائم کرنے کے لئے کسی اور ہی چیز کی ضرورت ہے (۹) پس اس میں امتیاز دل کے تقاضے سے ہوگا (۱۰) دل میں جم گئی۔

تقاضائے قلب کا کمال

اسی واسطے میں کہا کرتا ہوں کہ اعمال کی مداومت[۱] کے اندر ان بزرگوں کا کوئی کمال نہیں ہے ان کے قلوب میں ایک داعیہ پیدا ہوگیا ہے[۲] وہ ان سے کام لیتا ہے۔ آدمی سمجھتا ہے اور خوش ہوتا ہے کہ فلاں کام میں نے کیا ہے اور اس کو یہ خبر نہیں ہے کہ کام مجھ سے لیا گیا ہے۔ کمال تو حق تعالیٰ کا ہے کہ جس نے قلب میں تقاضا پیدا کیا ہے کمال تو مشین چلانے والے کا ہے مشین کا کیا کمال ہے۔ ہاں جس کی نظر صرف مشین پر ہے وہ مشین کا معتقد ہوگا۔ پس یہ تقاضا اور شوق ایسی شئے ہے کہ جب یہ پیدا ہوجاتا ہے تو آدمی کام کرتا ہے اور اس کو تکان نہیں ہوتا اسی واسطے ارشاد ہے: ﴿يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم ۖ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾[۳] یعنی ’’اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر یہ لوگ اس بات کا احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہوگئے۔ آپ فرما دیجئے کہ مجھ پر اپنے مسلمان ہونے کا احسان مت رکھو بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا احسان جتلاتے ہیں کہ تم کو ایمان کی ہدایت دی اگر تم سچے ہو‘‘۔

حضرت تقاضا وہ شئے ہے کہ جب یہ غالب ہوجاتا ہے تو آدمی رسیاں اور بیڑیاں[۴] توڑ کر بھاگ جاتا ہے اور تمام زنجیروں کو توڑ دیتا ہے اور بجائے ان زنجیروں کے صرف زنجیرِ زلف میں مقید ہونا پسند کرتا ہے ؎

گر دو صد زنجیر آری بگسلم ۔۔۔ غیر زلف آں نگار مقبلم[۵]

---

(۱) مستقل مزاجی سے عمل کرتے رہنا (۲) تقاضا (۳) سورۂ حجرات: ۱۷ (۴) زنجیریں (۵) ’’اس محبوب کی زلف کے علاوہ اگر تم دو سو زنجیر بھی لاؤ گے تو توڑ دوں گا‘‘۔

اسیرش نخواہد رہائی زبند　　شکارش نجوید خلاص از کمند(۱)

جب ایسا تقاضا پیدا ہو جاتا ہے تو ایسے شخص کو مجذوب کہتے ہیں اور اس قسم کی کشش کو جذب کہا جاتا ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں سلوک ہے۔ یعنی اختیار اور ارادہ سے عمل کیا جاوے اور بدون جذب کے(۲) صرف یہ حالت ہونا خطرناک ہے اس لئے کہ جب قلب میں کوئی داعیہ نہیں ہے تو خواہ کتنے ہی اعمال و ذکر وشغل ہوں وہ قابل اعتماد نہیں ہیں خدا جانے یہ شخص کب بدل جاوے اور اگر جذب پیدا ہو گیا ہے تو وہ خطرہ سے نکل گیا ہے۔ اسی حالت کی تمنا میں عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؂

صنمارہ قلندر سزاوار بمن نمائی　　کہ دراز و دور دیدم رہ ورسم پارسائی(۳)

راہ قلندر سے مراد طریق جذب ہے(۴) اور راہ ورسم پارسائی سے سلوک۔

نرے سلوک کی یہ حالت ہے ؂

بزمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا بر آمد　　کہ مرا خراب کردی تو بسجدۂ ریائی
بطواف کعبہ رفتم بحرم وہم ندادند　　تو برون در چہ کردی کہ درون خانہ آئی(۵)

اور اگر جذب کی حالت ہوتی ہے تو پھر عبادات میں خواہ کتنی ہی کلفت ہو(۶) وہ سب برداشت کر لیتا ہے اور اس کلفت کی نسبت بزبان حال وہ کہتا ہے جو عراقی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں ؂

---

(۱) ''اس کا قیدی رہائی نہیں چاہتا اور اس کا شکار کمند سے چھٹکارا نہیں چاہتا'' (۲) بغیر کشش (۳) ''اے صنم اگر تو مجھ کو قلندرانہ راہ دکھائے تو وہ میرے لئے موزوں ہے کیونکہ پارسائی کی راہ ورسم انتہائی دور بھی ہیں اور طویل بھی'' (۴) ایسا راستہ جس میں کشش ہو (۵) ''جب زمین پر میں نے سجدہ کیا تو آواز آئی کہ تو نے اپنے ریاکارانہ سجدہ سے مجھ کو بھی خراب کر دیا۔ طواف کے لئے گیا تو مجھ کو اندر داخل نہیں ہونے دیا اور کہا کہ تو نے دروازے کے باہر کونسے نیک کام کئے ہیں کہ گھر کے اندر آ کر کرے گا'' (۶) مشقت ہو۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت		سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی(۱)

بعض لوگ جو کسی بزرگ کی مدح میں کہا کرتے ہیں کہ انہوں نے سلطنت اور ملک قبول نہیں کیا تو میں کہا کرتا ہوں کہ یہ اُن کا کمال نہیں ان کے اندر حق تعالیٰ نے کشش ایسی رکھ دی تھی کہ اُس نے اُن کو بجز اپنے کسی کا نہیں چھوڑا بلکہ دوسری شئے میں اُن کا دل پریشان ہوتا ہے۔

زاہد نداشت تاب جمال پری رخاں		کنجے گرفت وترس خدارا بہانہ ساخت(۲)

اُن کے قلب میں ایک داعیہ ہے(۳) کہ اس نے ان کو سب سے آزاد کر کے ایک جگہ آرام سے بٹھا دیا ہے ان کا کوئی کمال نہیں ہے اور میرا مقصود اس کمال کی نفی سے یہ ہے کہ کوئی شخص دعویٰ نہ کرے کہ میرے اندر یہ کمال ہے اس کا کوئی کمال نہیں ہے جملہ کمالات حضرت حق تعالیٰ کے لئے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب تک تقاضا قلب میں نہ ہو کوئی عمل دواماً نہیں ہوسکتا۔ اور تقاضے کا حاصل وہی تاثر ہے جو کہ قساوت کی ضد ہے(۴) اس لئے قساوت کا اثر وہ ہوگا جس کو بیان فرمایا کہ وہ بے حکمی کرنے لگے(۵) پس ایسا نہ ہو کہ تم بھی اسی بلا میں مبتلا ہو جاؤ۔

یہ تو حاصل ہوا آیت کا اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ خشوع بھی مقاصد میں سے ہے(۶) اور مقصود اعظم ہے اس لئے کہ گویا موقوف علیہ ہے طاعت کا(۷) لیکن

---

(۱) ’’تیری تیغ (تلوار) سے ہلاک ہونا دشمن کے نصیب میں نہیں ہے۔ دوستوں کا سر سلامت رہے تاکہ تو خنجر آزمائی کرتا رہے‘‘ (۲) ’’زاہد کو پری رخوں کے جمال کی تاب نہیں تھی اس لئے کونے میں بیٹھ گیا اور بہانہ یہ کرتا ہے کہ خدا سے ڈرتا ہے‘‘ (۳) دل میں ایک تقاضا ہے (۴) سنگدلی (۵) حکم کے خلاف عمل کرنے لگے (۶) عاجزی اختیار کرنا بھی مقصود ہے (۷) گویا نیکی اس پر موقوف ہے۔

مجھ کو اس وقت اس کا بیان کرنا مقصود نہیں ہے میرا مقصود جدا ہے(۱)۔ اور موقوف ہے ایک مقدمہ پر وہ یہ ہے کہ۔

عمل کی تین قسمیں ہیں

عمل تین قسم کے ہیں: طاعت[۱] معصیت[۲]، مباح[۳]۔

اول کی دو قسموں میں تو کچھ غلطی واقع نہیں ہوتی۔ سب جانتے ہیں کہ طاعت کرنے کی شئے ہے اور معصیت ترک کے قابل ہے۔

مباح کی دو قسمیں ہیں

اب رہ گیا مباح اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو مفضی ہو جاتی ہے معصیت کی طرف (۲) اور ایک وہ جو معصیت کی طرف مفضی نہیں ہوتی (۳) جو قسم معصیت کی طرف مفضی ہوتی ہے مجھ کو یہ بھی بیان کرنا مقصود نہیں۔

بعض مباح بدعت کی طرف پہنچا دیتا ہے

اس لئے کہ یہ غلطی خواص کو نہیں ہوتی گو عوام کو ہو جاتی ہے، ہاں جو خواص کالعوام (۴) (بلکہ کالانعام) ہیں (۵) ان کو اس میں بھی ہوتی ہے۔

چنانچہ بدعات کے اندر مبتلا ہونے کا سبب یہی ہوا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ افعال تو مباح (۶) بلکہ بعضے مندوب ہیں (۷) ان کو کیوں منع کرتے ہیں۔ اگر کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھ لی تو کیا حرج ہو گیا جو بدتہذیب ہیں وہ تو کھلم کھلا مانعین پر

---

(۱) میرا مقصود اس کے علاوہ ہے (۲) گناہ تک پہنچا دیتی ہے (۳) گناہ تک نہیں پہنچاتی (۴) عوام کی طرح کے ہیں (۵) بلکہ جانوروں کی طرح ہیں (۶) یہ کام تو جائز ہیں (۷) مستحب۔

طعن و تشنیع کرتے ہیں[۱] اور جو مہذب ہیں وہ تعجبانہ اعتراض کرتے ہیں[۲]۔ چنانچہ ایک غیر مہذب کی حکایت بیان کرتا ہوں۔

گنگوہ میں اعتراضات کا جواب

گنگوہ میں میں نے عید کے دن معانقہ کرنے کو منع کیا، ایک شخص کہنے لگے کہ بس جی اب تو مُردوں پر کفن پڑنا موقوف ہوجاوے گا۔ میں نے کہا ہاں بیشک خبر بھی ہے کفن کس پر نہیں پڑتا شہید پر کفن نہیں پڑتا وہ سن کر جھلاتے ہوئے چلے گے۔ اور بعضے تو یہاں تک کہتے ہیں کہ یہ لوگ جناب رسول اللہ ﷺ کی تعظیم اور آپ پر ایمان لانے سے روکتے ہیں۔ یہ تو غیر مہذبین کی حکایت ہے۔

اور جو مہذب اور بھولے بھالے ہیں وہ تعجبانہ اعتراض کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص کہنے لگے کہ ہم نے برادری کو کھانا کھلادیا اس میں کیا برائی ہے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس میں کیا برائی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص سیر بھر لڈؤں میں تولہ بھر سنکھیا ملا کر کھلادے تو اس کو جو منع کیا جائے گا کہ یہ لڈو مت کھاؤ تو یہ فی الواقع لڈو کھانے سے ممانعت نہیں ہے بلکہ سنکھیا کھانے سے منع کیا جاتا ہے اسی طرح یہاں برادری کے کھلانے کو منع نہیں کیا جاتا ہے بلکہ اس کے اندر جو زہر اتباع رسوم کا ملا ہوا ہے اُس سے روکا جاتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ اُن لوگوں کو معاصی کی فہرست ہی معلوم نہیں۔

گناہ کا سببِ قریب بھی گناہ ہے

کہ جو شئے سببِ قریب ہوجاوے معصیت کا وہ معصیت ہے[۳] اور سببِ قریب اس لئے کہا کہ یوں تو ہر امر بتسبب بعید مفضی الی المعصیت ہوجاتا ہے[۴]

(۱) منع کرنے والوں کو بُرا بھلا کہتے ہیں (۲) تعجب سے اعتراض کرتے ہیں (۳) جو چیز گناہ میں مبتلا ہونے کا سببِ قریب ہو وہ بھی گناہ ہے (۴) ہر کام سبب بعید کی وجہ سے گناہ تک پہنچنے والا ہوسکتا ہے۔

مثلاً کسی نے نکاح کیا اور اُس کے لڑکا پیدا ہوا وہ لڑکا مرتد ہوگیا تو دیکھو یہ نکاح سبب بعید اس کے ارتداد کا ہے لیکن اس سببیت کی وجہ سے نکاح کو حرام نہ کہا جاوے گا۔ شریعت میں بہت وسعت اور رحمت ہے۔ پس غالب حالات میں جو شئے بلا واسطہ سبب معصیت ہو وہ معصیت ہے۔

مستحب اور جائز کام بھی اگر گناہ کا سبب بنے تو جائز نہیں

بہت لوگ اس مسئلہ سے غافل ہیں عوام تو ہیں ہی لیکن خواص میں بھی بہت ناواقف ہیں، حالانکہ یہ مسئلہ خود قرآن سے ثابت ہے اور اگر بالفرض قرآن سے یہ مسئلہ ثابت نہ بھی ہوتا تو فقہ سے تو ثابت ہے ہی۔ چنانچہ فقہاء نے صاف لکھا ہے کہ جو مندوب ومباح سبب ہو جاوے معصیت کا وہ ممنوع ہے(۱) چنانچہ فقہاء نے بہت سی ایسی چیزوں کو کہ بظاہر وہ سنت ہیں محض اس بناء پر منع کیا ہے کہ وہ امر سبب بن گیا ہے معصیت کا۔ چنانچہ سجدۂ شکر کو مکروہ کہا ہے حالانکہ ثابت ہے کہ احیاناً(۲) جناب رسول اللہ ﷺ نے سجدہ شکر کیا ہے جیسا حدیثوں میں ((خر سا جدا)) صاف وارد ہے(۳)۔ گو اس میں تاویل ”صلی صلوٰۃ“ کی گئی ہے(۴) لیکن اس میں شک نہیں کہ تاویل ہے بعید،(۵) سیدھی بات یہی ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی کبھی سجدۂ شکر کیا ہے اور اکثر نہیں کیا۔

پس فقہاء نے اس سے سمجھا کہ سجدۂ شکر مقاصد دین سے نہیں ہے فی نفسہ مندوب ہے(۶) لیکن مفسدہ یہ دیکھا(۷) کہ اس کو ضروری سمجھنے لگیں گے اور اس کو اپنی حد پر نہ رکھیں گے اس لئے اس کو مکروہ ٹھہرا دیا۔

(۱) جو جائز یا مستحب کام سبب بن جائے گناہ کا وہ منع ہے (۲) کبھی کبھی (۳) آپ ﷺ سجدے میں گر پڑے صاف آیا ہے (۴) اگرچہ اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے نماز پڑھی (۵) یہ دور کی تاویل ہے (۶) اپنی ذات کے اعتبار سے مستحب ہے لیکن دین کے مقاصد میں سے نہیں ہے (۷) خرابی یہ دیکھی۔

دوسری نظیر اور لیجئے کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے صبح کی نماز میں جمعہ کے روز اول رکعت میں سورۂ الم سجدہ اور دوسری میں سورۂ دہر پڑھی ہے مگر فقہاء نے دیکھا کہ لوگ اس کو حد پر نہ رکھیں گے اس لئے تعیین سورت کو مکروہ کہہ دیا، پس جو مباح بلکہ مندوب بھی سبب ہو جاوے معصیت کا اور تجاوز عن الحد کا[۱] وہ مکروہ ہوگا۔ غرض ہمارے عمل کے لئے کتب فقہیہ میں بھی اس کا مذکور ہونا کافی ہے۔ لیکن تبرعاً[۲] کہتا ہوں کہ یہ مسئلہ قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔

قرآن پاک سے مسئلہ مذکورہ کی دلیل

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًام بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾[۳] یعنی ”اے مومنو! اُن بتوں کو کہ جن کو یہ مشرکین سوائے اللہ کے پکارتے ہیں سب وشتم مت کرو[۴] کیونکہ یہ اللہ کو حد سے متجاوز ہو کر بغیر علم کے بُرا کہیں گے“ دیکھئے بتوں کی برائی کرنا مباح بلکہ طاعت ہے[۵] تاکہ لوگوں کو اِن سے نفرت ہو مگر جبکہ احتمال اس کا ہو کہ یہ سبب ہو جاوے گا اللہ تعالیٰ کو بُرا کہنے کا اس حالت میں منہی عنہ ہے[۶] یہ آیت صاف بتلا رہی ہے اس سے زیادہ کونسی دلیل ہوگی کہ سبِّ اصنام عین طاعت تھا اور وہ ممنوع ہو گیا[۷]۔

اور حدیث لیجئے، حدیث میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ سب سے بُرا وہ شخص ہے جو اپنے ماں باپ کو گالی دے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ماں باپ کو کون گالی دیا کرتا ہے؟ فرمایا کہ یہ کسی کے

---

(۱) حد سے بڑھنے کا (۲) استحساناً (۳) سورۂ انعام: ۱۰۸ (۴) گالی مت دو (۵) جائز ہی نہیں بلکہ نیکی ہے (۶) روکا گیا ہے (۷) بتوں کو بُرا بھلا کہنا عین نیکی تھا اور اس سے روک دیا گیا۔

ماں باپ کو گالی دے اور وہ اس کے ماں باپ کو گالی دے۔

معلوم ہوا کہ جو فعل سبب معصیت کا ہو وہ بھی اسی کے حکم میں ہے یہاں کوئی طالب علم شبہ نہ کرے کہ اس حدیث سے اس مسئلہ پر تو استدلال جب ہوسکتا ہے جبکہ وہ فعل مباح ہو اور حدیث میں تو کسی کے ماں باپ کو گالیاں دینا ہے جو خود بھی معصیت ہے، بات یہ ہے کہ میرا مطلب قاعدہ کو ثابت کرنا ہے اور قاعدہ کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ معصیت کا سبب من حیث السببیت معصیت ہے(۱) خواہ پہلے سے مباح ہو یا معصیت (۲) اس سے بحث نہیں علاوہ اس حدیث و آیت کے اگر میں غور کروں تو بہت سی احادیث و آیات اس مدعا پر ملیں گی۔ غرض قرآن سے حدیث سے فقہ سے یہ مسئلہ ثابت ہے۔

بدعات کے اندر وجہ ممانعت کی تفصیل

اب اس قاعدہ کے سمجھنے کے بعد تمام بدعات کی وجہ ممانعت سمجھ میں آوے گی۔ مثلاً چنوں پر کلمہ پڑھنا اور قرآن پڑھنا سبب ہے ایک عقیدۂ فاسدہ کا کہ عوام الناس یوں سمجھتے ہیں کہ یہ بھی مقاصد دین میں سے ہے۔ پس یہی غلطی رسوم کی پابندی میں ہے کہ جس میں بعض اہل علم سے بھی بسبب رواج کے غلطی ہوجاتی ہے گو جو معصیت کا سبب ہوجاتی ہے (۳) وہ مختلف ہے کہیں فساد عقیدہ جیسے ان بدعات میں جو برنگِ دین ہیں۔ اور کہیں ریاء و تفاخر (۴) وغیرہ جیسے ان رسوم میں جو برنگِ دنیا ہیں۔ اور اگر وہ دعوے کرے کہ میری نیت تفاخر کی نہیں (۵) لیکن جو برنگِ رسم کرے گا تو دوسرے تو متضرر ہوں گے (۶) اس لئے یہ عذر مسموع نہ

(۱) گناہ کا سبب گناہ ہونے کے سبب کی حیثیت سے گناہ ہے (۲) چاہے پہلے سے جائز ہو یا گناہ (۳) جو نافرمانی کا موجب ہوجاتی ہے (۴) دکھاوا اور فخر کرنا (۵) فخر کرنے کی نہیں ہے (۶) دوسروں کا تو نقصان ہوگا۔

ہوگا۔(۱) پس مجھ کو ایسے مباح کو بھی اس وقت بیان کرنا مقصود نہیں ہے جو مفضی ہوجاوے معصیت کا سو وہ شرعاً معصیت نہیں ہے مباح ہے۔ مگر مطلوب الترک اور ندباً ترک کے قابل ہے(۲)۔

خلاصہ یہ ہے کہ مباح کی تین قسمیں ہیں طاعت بوجہ افضاء الی الطاعت کے اور معصیت واجب الترک بوجہ افضاء الی المعصیت کے اور مندوب الترک بوجہ عدم سبب قریب للمعصیت کے(۳)۔

بعض مباح کام میں ابتلاء بواسطہ گناہ کے ہوتا ہے

مجھ کو اس وقت صرف آخر الذکر مباح(۴) کا ذکر کرنا مقصود ہے یعنی جو کہ بواسطہ یا بواسطین یا بواسائط مفضی الی المعصیت ہوجاتا ہے(۵)۔ سو اس باب میں لوگوں کو کچھ غلطی واقع ہوتی ہے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ مباح کے باب میں لوگوں کی حالت مختلف ہے، بعضے تو اس میں بہت تنگی کرتے ہیں، اور بہت سے مباحات سے منتفع ہونا(۶) انہوں نے چھوڑ دیا ہے اور بعض توسع(۷) بہت کرتے اور یہ ذکر ان لوگوں کا ہے جو متقی ہیں عوام الناس یا غیر محتاط لوگوں کا ذکر نہیں بلکہ اتقیاء اور جو دیندار کہلاتے ہیں ان کا ذکر ہے ان میں بھی اکثر لوگ مباحات کے اندر بے حد وسعت کرتے ہیں گو معصیت میں مبتلا نہیں ہیں، چوری نہیں کرتے، غیبت نہیں کرتے کسی اور معصیت میں مبتلا نہیں۔

---

(۱) اس لئے اس کا یہ عذر تسلیم نہیں کیا جائے گا (۲) پس اس کا چھوڑ دینا مطلوب اور استحباباً ترک کرنے کے قابل ہے (۳) پس مباح یعنی جائز کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو نیکی کرنے کا باعث ہو وہ عبادت ہے۔ دوسرا وہ جو گناہ کا سبب بنے وہ ترک کرنا ضروری ہے۔ تیسرا وہ جو سبب قریب گناہ کا نہ ہو لیکن سبب بعید ہو اس کا ترک مستحب ہے (۴) مباح کی آخری قسم بیان کرنی مقصود ہے (۵) جو ایک واسطہ یا دو واسطوں سے گناہ تک پہنچادے (۶) جائز کاموں سے فائدہ اٹھانا (۷) گنجائش بہت نکالتے ہیں۔

مباحات میں زیادہ توسع مضر ہے

مباحات میں بے حد وسعت کرتے ہیں، مثلاً فضول ملاقاتیں بہت کرتے ہیں، سیاحت بے حد کرتے ہیں، جہاں بیٹھیں گے باتوں کا ایسا چرخہ(۱) چلاویں گے کہ ختم ہی نہیں ہوتا تذکرے اور حکایتیں اور فلاں اخبار میں یہ لکھا ہے اور فلاں پرچہ میں یہ مضمون ہے۔ بعضوں کو کھانے پینے کا بے حد شوق ہوتا ہے، ہر وقت کھانوں ہی کا تذکرہ ہر وقت اسی کا اہتمام ہے اور سمجھتے ہیں کہ ہم کیا بُرا کرتے ہیں اور اس کثرت کو مضر نہیں سمجھتے اور اس سے طبیعت میں اپنی رکاوٹ نہیں پاتے۔ کپڑا جو بناویں گے چھانٹ چھانٹ کر منگاویں گے اور اس کا ضرورت سے زیادہ اہتمام کریں گے۔

مباحات میں عورتوں کا انہماک

اور عورتوں کی تو پوچھو ہی مت، کوئی عورت اگر دوسری کے پاس کوئی زیور دیکھے گی تو پوچھتی ہے بہن یہ کہاں سے بنوایا تھا اور کب بنوایا ہے مجھ کو بھی بنوادو بس اس کی دُھن میں لگ گئی اور خاوند سے فرمائش شروع ہوگئی کہ ہم کو بھی ایسا ہی بنوادو۔ میں تو اسی واسطے کہا کرتا ہوں کہ ان عورتوں کا بلا ضرورت شرعیہ جمع ہونا ہی جائز نہیں۔ یہ جمع ہونا ہزاروں خرابیوں کا باعث ہے جہاں یہ جمع ہوتی ہیں ایک نظر میں ہی دوسرے کو تاڑ لیتی ہیں بڑی دقیقہ رس ہوتی ہیں (۲) بلکہ سچ یہ ہے کہ دقیقہ رس ہی ہیں یعنی کھوئی کا پٹھا ہیں (۳) ایسی دقیقہ رس ہیں کہ ایک نظر میں ہر عورت کا سراپا دوسری کو یاد ہوجاتا ہے۔ چنانچہ اگر پوچھو تو پٹ پٹ (۴) بیان کردیں گی کہ فلاں کے سر

---

(۱) بہت باتیں کرینگے (۲) باریک بین ہوتی ہیں (۳) گنے کا پھوک (۴) فوراً۔

میں یہ تھا پاؤں میں یہ تھا اور ہاتھ میں یہ تھا اور پیٹ تک خبر پوچھ لو چنانچہ کہتی ہیں کہ فلانی پیٹ سے ہے، دوپٹہ ایسا تھا، کرتہ ایسا، پاجامہ ایسا۔ مرد تو اگر یاد بھی کریں تو یاد نہ ہو ان کی نگاہ ایسی غضب کی ہے کہ ایک نگاہ میں سب از بر ہو گیا۔ اور پھر ایک دوسری کی حرص کرتی ہیں۔

ایک کورٹ انسپکٹر تھے اُن کی بیوی اپنے ہاتھ سے چکی پیستی تھی اپنے ہاتھ سے کھانا پکاتی تھی وہ ایک اور شخص کے پڑوس میں آ کر رہیں اُن کی تنخواہ بہت کم تھی یعنی کل ایک سو بیس روپے مگر اُن کی بیوی کو جو دیکھا تو سر سے لیکر پاؤں تک زیور میں لدی ہوئی اور کام کرنے کے لئے مامائیں، بچوں کے لئے انائیں، غرض سب سامان ہیں، پوچھا بہن تمہارے خاوند کی کیا تنخواہ ہے؟ کہا ایک سو بیس روپے، یہ سن کر جل گئی کہ ان کی اس تنخواہ میں یہ حالت اور میرے خاوند کی اس سے بہت زیادہ تنخواہ اور میں اس حالت میں بس خاوند سے لڑنا اور فرمائشیں کرنا شروع کر دیں۔ زیور بنواؤ اور مکان بنواؤ چنانچہ وہ کورٹ انسپکٹر صاحب ایک بار ملے تھے کہ صاحب غضب میں جان آ گئی، دیکھئے کیا پُر تاثیر صحبت تھی کہ ایک توجہ میں کامل بنا دیا اس لئے میں کہتا ہوں کہ اُن کو جمع ہی نہ ہونے دو۔

غرض یہ عورتیں رات دن اسی میں کھپی رہتی ہیں کہیں چادرہ کا حساب ہو رہا ہے کہیں زیور کا تخمینہ ہے۔ شب و روز سوائے اس دھندے کے کوئی کام نہیں۔ مرد بھی اس قسم کے کام کرتے ہیں لیکن بہت اُترے دل سے [1] ان کے تو کام کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس سے فارغ ہو کر اور کام بھی کرنا ہے۔ اور عورتوں کی مشغولی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بس دنیا میں یہی کام ہے کوئی اور

(۱) بے دلی سے۔

کام دنیا یا دین کا ان کے متعلق نہیں مجھ کو تو ان کو دیکھ کر بڑی وحشت ہوتی ہے۔

مباحات میں بعض مردوں کا انہماک

اور بعضے مرد بھی اسی دھن میں رہتے ہیں کہ اگر اچکن ایسا ہو تو صدری ایسی ہونی چاہیئے (۱) اور ٹوپی اس قسم کی مناسب ہے بعض لوگوں کو آرائش کا بہت شوق ہوتا ہے کہیں کمرہ سجا رہے ہیں اس کے لئے بڑا اہتمام ہے، گلدستے منگا رہے ہیں فوٹو اور نقشے منگانے کی بڑی فکر ہے۔ کوئی اپنے بدن کو سنوار رہا ہے، گھر سے باہر اس وقت نکلیں گے جب پہلے کنگھی چوٹی سے آراستہ ہولیں گے حالانکہ یہ تن آرائی اور تن پروری وہ شے ہے جس کی نسبت کسی حکیم کا قول ہے ؎

ایں تن آرائی وایں تن پروری — عاقبت سازو ترا ازدیں بری (۲)

سو ان کو تو اس کا ضرر ہی نہیں محسوس ہوتا اور ان کے مقابلہ میں بعض وہ لوگ ہیں کہ ان کو اس کا ضرر محسوس ہوا۔

بعض مباحات میں تنگی بہت کرتے ہیں یہ بھی بُرا ہے

لیکن وہ دوسری جانب میں بڑھ گئے یعنی تنگی بہت کرنے لگے، کسی سے بات نہیں کرتے چپ بیٹھتے ہیں، کھاتے نہیں ہیں چنانچہ مشہور ہو جاتے ہیں کہ فلاں بزرگ اناج روٹی نہیں کھاتے لوگ اس کو بڑا کمال سمجھتے ہیں، غرض مباحات میں یا تو وہ وسعت یا اس قدر تنگی۔ دونوں حالتیں مذموم ہیں (۳) مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے ؎

---

(۱) شیروانی ایسی ہو تو واسکٹ اس قسم کی ہونی چاہیئے (۲) ''یہ بناؤ سنگار تجھے آخر کار دین سے بیگانہ بنا دیتا ہے'' (۳) بُری ہیں۔

چوں گرسنہ می شوی سگ میشوی چونکہ خوردی تند و بدرگ میشوی (۱)

خدا تعالیٰ نے دونوں کا علاج ان مختصر جملوں میں خوب فرمایا: ﴿کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا﴾ (۲) مگر پھر بھی بعضے افراط کرتے ہیں بعضے تفریط (۳) مباحات کے اندر افراط وتوسع کرنے والوں کی نسبت کسی شاعر نے خوب کہا ہے ؂

گرچہ خدا گفت کلوا واشربوا لیک نفرمود کلوا تا گلو (۴)

اور تفریط اور تنگی کرنے والوں کے متعلق دوسرا شعر کہا ہے ؂

گرچہ خدا گفت ولا تسرفوا لیک نفرمود بکلہیا وضو (۵)

ایک شعر میں کسی شاعر نے بیہودگی کی تھی ؂

ہم توبہ جب کریں گے شراب و کباب سے
قرآن میں جو آیا کُلُوْا وَاشْرَبُوْا نہ ہو

ایک شاعر نے اس کا خوب جواب دیا ہے ؂

تسلیم قول آپ کا ہم جب کریں جناب
جب آگے وَاشْرَبُوْا کے وَلَا تُسْرِفُوْا نہ ہو

قرآن کا عجیب معجزہ ہے کہ جب کسی نے ایسا استدلال کیا ہے وہاں ہی اس کا جواب بھی موجود ہے۔ غرض توسع ہوا تو ایسا ہوا کہ پس جب یہ اطمینان کرلیا کہ یہ امر گناہ تو نہیں بس کُھل کھیلے (۶) اور تنگی ہوئی تو ایسی کہ مباح ضروری سے بھی اجتناب کرنے لگے۔ یہ تو کھانے پینے کے متعلق کلام تھا۔

(۱) ''جب تو بھوکا ہوتا ہے تو کتا بن جاتا ہے اور جب تونے کھالیا ہوتا ہے تو تو تیز اور بدمزاج ہوجاتا ہے'' (۲) کھاؤ اور پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو (۳) بعض کمی کرتے ہیں بعض زیادتی (۴) ''اگرچہ خدا نے کہا ہے کہ کھاؤ اور پیو مگر یہ نہیں کہا ہے کہ گلے گلے تک کھاؤ'' (۵) ''خدا نے کہا ہے کہ خرچ کرو مگر یہ نہیں کہا کہ بالکل صفایا کردو'' (۶) خوب اس کو اختیار کیا۔

تجارت میں انہماک

اب لیجئے معاملات میں تجارت میں اگر لگے تو ایسے کہ اسی میں کھپ گئے۔ شب وروز اسی کا خیال ہے، وہی دھن ہے جہاں بیٹھیں گے وہی تذکرہ ہے۔

ترغیب ذکراللہ

ہاں اگر تجارت کے ساتھ حق تعالیٰ کی یاد بھی ہو تو مضائقہ نہیں ایسے ہی لوگوں کی نسبت ارشاد ہے: ﴿ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ۔ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾(۱) یعنی ''ان گھروں میں اللہ کی تسبیح صبح وشام ایسے مرد کرتے ہیں کہ جن کو تجارت اور بیع اللہ کی یاد اور نماز کے قائم کرنے اور زکوٰۃ کے دینے سے غافل نہیں کرتی وہ ایسے دن سے ڈرتے ہیں کہ جس میں دل اور نگاہیں اُلٹ پلٹ ہوں گی تا کہ اللہ تعالیٰ اُن کے اچھے اعمال کی جزا دیں اور ان کو اپنے فضل سے زیادہ دیں اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے حساب رزق دیتے ہیں'' پس تجارت کرو، زراعت کرو، نوکری کرو لیکن جو مقصود اصلی ہے وہ ہاتھ سے نہ دو یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد سے کسی وقت غفلت نہ ہو۔

ذکر وتجارت کا اجتماع

اس پر شاید کسی کو تعجب اور حیرت ہو کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک وقت میں دو کام کریں خرید وفروخت بھی کریں اور ذکر بھی کریں۔ مگر واقع میں تعجب کی کوئی

(۱) سورۂ نور: ۳۶: ۳۷۔

بات نہیں دیکھو تم نماز پڑھتے ہو اور عین نماز کی حالت میں تجارت کی یاد کرتے ہو، پس ایسے ہی اس کا عکس بھی ہوسکتا ہے اور اگر نہیں تو فرق بتلا دو کیا ہے بات یہ ہے کہ جس شے کا آدمی کو شوق ہوتا ہے وہ ہر وقت دل میں بسی رہتی ہے پھر آدمی خواہ کسی کام میں لگ جاوے مگر وہ کام اس چیز کے دل میں ہونے کو مانع (۱) نہیں ہوتا۔ چونکہ ہم کو دوسری چیزوں کا شوق ہے اس لئے ہماری حالت یہ ہے کہ نماز پڑھ رہے ہیں اور دل دوسری طرف ہے ۔

چوں بطواف خود بدی خود مرتدی چوں بخانہ آمدی ہم باخودی (۲)

میں یہ نہیں کہتا کہ مباحات کے اندر اس قدر مشغولی ناجائز ہے یا گناہ ہے، لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ مضر ہے اور مفضی ہوجاتا ہے معاصی کی طرف (۳) اور ایسے شخص کی حالت دیکھ کر اول ہی سے کہہ سکتے ہیں کہ اس شخص کا انجام اچھا نہیں جیسے اس کی نظیر میں کسی نے کہا ہے ۔

من ازآں حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم

کہ عشق از پردہ عصمت بروں آرد زلیخا را (۳)

اس مشغولی سے بعضوں کی یہاں تک حالت ہوتی ہے کہ مرنے کے وقت بھی وہی شئے اُن کو یاد رہتی ہے۔ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے حکایت لکھی ہے کہ ایک تاجر کو مرتے وقت کلمہ تلقین کیا گیا تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ دس کو خریدا گیارہ میں دوں گا۔

مرتے وقت کے کلمات کا اعتبار نہیں

شاید اس حکایت کو سن کر آپ یہ سمجھتے ہوں گے کہ اس شخص کا خاتمہ بُرا ہوا

---

(۱) رکاوٹ (۲) ’’جب تک تو اپنا طواف کر رہا تھا تو مرتد تھا اور جب تو گھر میں آیا تو بھی تو غرور کے ساتھ ہے‘‘ (۳) نقصان دہ ہے اور گناہوں تک پہنچا دیتا ہے (۴) ’’یوسف (علیہ السلام) کے اس روز افزوں بڑھتے ہوئے حسن سے میں نے یہ جانا ہے کہ عشق زلیخا کو پردہ عصمت سے باہر کھینچ کر لاسکتا ہے‘‘۔

مگر میں یہ نہیں کہتا اس لئے کہ وہ وقت بے ہوشی کا ہوتا ہے، اس وقت جو منہ سے نکلے معاف ہے۔ جیسے سوتے وقت جو کچھ منہ سے نکلے خواہ وہ کلمات کفر ہی ہوں کچھ مواخذہ نہیں یہاں سے جملہ معترضہ کے طور پر یہ بھی بیان کرتا ہوں کہ کسی مرتے ہوئے کی حالت دیکھ کر جو فتویٰ لگا دیا جاتا ہے کہ بُری حالت میں مرا یہ سخت بات ہے اس لئے کہ مرنے کا وقت بڑی مصیبت کا وقت ہے۔ اس وقت آدمی کے حواس صحیح نہیں رہتے تو اس وقت جو کچھ اس کے منہ سے نکلے وہ قابل اعتبار نہیں بلکہ ان کلمات کے صدور کا ذکر بھی نہ کرنا چاہیئے۔ ہاں اگر کوئی شخص فاسد الاعتقاد ہو اور لوگوں کو فساد عقائد سکھلاتا ہو اس کی بدحالی کو البتہ شائع کرنا چاہیئے [۱] تا کہ لوگوں کو عبرت ہو اور صحت عقائد کو ضروری جان کر عمل کریں اور جو شخص صحیح العقیدہ ہو اس کو بدنام نہ کرو بلکہ اس کی حالت اور قول کی تاویل کرلو۔ اس کی بُری بات اور بُری حالت کو اچھی حالت میں داخل کرو۔ جس شخص کو تاویل کرنے کی عادت ہوتی ہے وہ اولیاء اللہ پر اعتراض نہیں کرتا اور اسی واسطے کہتے ہیں کہ موت کے وقت سمجھدار دینداروں کا پاس ہونا ضروری ہے۔ ایک بزرگ کا انتقال ہوا انہوں نے بجائے کلمہ کے یہ پڑھا۔ لا الہ الا اللہ موسی کلیم اللہ لوگوں نے کہا کہ یہودی ہوکر مرے ہیں۔ ایک محقق نے سن کر کہا ارے ظالمو! یہ تو بڑے پایہ کی بات ہے یہ بزرگ قدم موسی پر تھے یہ اُس کا ظہور ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ تعالی میں ہر ایک کی شان جدا ہے

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ بزرگوں کی شانیں مختلف ہیں جیسے انبیاء کی شان مختلف ہے موسی علیہ السلام کے اندر جلال کا اس قدر غلبہ تھا کہ جب ان کو فرعون کی طرف بھیجا گیا تو ارشاد ہوا: ﴿قُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا﴾ (۲) یعنی فرعون کو بات نرم کہو۔

(۱) بیان کر دینا چاہیئے (۲) سورۂ طہٰ:۴۴۔

چونکہ تیز تھے تو حکم نرمی کا ہوا۔ اور عیسی علیہ السلام کی یہ شان ہے کہ ان کا ارشاد ہے کہ اگر تمہارے ایک رخسار پر کوئی طمانچہ مارے تم دوسرا رخسارہ بھی اس کے سامنے کر دو۔ چونکہ ولایت بھی شعبہ اور ظل نبوت کا ہے اس لئے اولیاء اللہ کی بھی شانیں مختلف ہوئی ہیں۔

ایک بزرگ کے استغناء اور تیزی کا قصہ

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی کے یہاں وزیر حیدر آباد آئے حکم ہوا نکال دو، خدام نے عرض کیا کہ حضور وزیر ہیں، فرمایا میں کیا کروں اگر وزیر ہے، جب بہت عرض کیا گیا تو فرمایا اچھا دو بجے رات تک اجازت ہے۔ امرائے حیدر آباد بھی بزرگوں کے ایسے معتقد ہیں دو بجے کے بعد فوراً وہ خود چلے گئے۔ غرض یہاں تو یہ تیزی اور ایک ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ تھے اللہ اکبر رحمت مجسمہ تھے کیسا ہی کوئی بدحال ہو جس پر ہم کفر کا فتوی لگا دیں وہ اس کے فعل کی بھی تاویل فرماتے تھے۔ حضرت کا مذاق طبیعت ہی اس قسم کا تھا اور سبب اس کا غلبہ تواضع تھا کہ کسی کو اپنے سے کم نہ سمجھتے تھے تواضع کی یہ کیفیت تھی کہ ایک شخص نے حضرت کی شان میں ایک قصیدہ مدحیہ لکھا تھا پڑھنا شروع کیا اور حضرت کے چہرہ سے برابر آثار کراہت (۱) کے ظاہر ہو رہے تھے۔ جب قصیدہ پورا پڑھ لیا تو حضرت نے فرمایا کہ میاں کیوں جوتیاں مارا کرتے ہو۔ سو کوئی بزرگ فطرۃً نرم مزاج ہوتے ہیں اور بعضے طبعاً تیز ہوتے ہیں۔

مقبول ہونے سے مزاج نہیں بدلتا

اور مقبول ہونے سے مزاج نہیں بدلا کرتا اگر پہلے سے کوئی شخص تیز مزاج ہو تو وہ تیزی اس کی بعد مقبولیت کے بھی زائل نہ ہوگی، فرق اس قدر ہوگا کہ پہلے تیزی میں حدود سے بڑھ جاتے تھے اب حدود کے اندر رہیں گے۔ پہلے غیروں پر ناحق

(۱) ناپسندیدگی کے آثار۔

تیزی کرتے تھے اب اپنے نفس پر تیز ہوں گے اور تیز خلاف شرع امر پر غصہ کریں گے۔

شیون مختلفہ کا اثبات

پس اولیاء اللہ کو ان شیون مختلفہ (۱) کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام سے مناسبت ہوتی ہے اور حدیث سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے۔ بدر کے قصہ میں حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے اساری بدر کے متعلق مشورہ لیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تو یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ آپ کی قوم ہے اور امید ہے کہ اسلام لاویں گے آپ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیجئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ ان کی گردن مارنے مجھ کو حکم دیجئے میں اپنے اقارب کو قتل کروں اور آپ اپنے عزیزوں کو قتل کیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرایا اے ابوبکر تمہاری مثال تو ابراہیم علیہ السلام کی سی ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا ﴿فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ (۲) اور اے عمر تمہاری مثال نوح علیہ السلام کی سی ہے کہ انہوں نے دعا کی تھی: ﴿رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا﴾ (۳)

صوفیاء کے اس قول کی تشرح کہ ''فلاں بزرگ قدم موسی پر ہے اور فلاں قدم عیسی پر ہے''

اس حدیث سے اس مسئلہ تصوف کا پتہ چلتا ہے۔ پس اولیاء اللہ کو علی حسب الاستعداد انبیاء کی ان شیون مختلفہ سے فیض ہوتا ہے (۴) جس کی تفسیر عنقریب آتی ہے اور جس ولی کو جس شان سے فیض ہوتا ہے اس کو اس نبی کے قدم پر کہا جاتا

(۱) مختلف شانوں (۲) ''پھر جو شخص میری راہ پر چلے گا وہ تو میرا ہے ہی اور جو شخص میرا کہنا نہ مانے سو آپ تو کثیر المغفرت کثیر الرحمت ہیں'' سورۂ ابراہیم:۳۶ (۳) ''اے میرے پروردگار! کافروں میں سے زمین پر ایک باشندہ بھی مت چھوڑ'' سورۂ نوح:۲۶ (۴) اولیا اللہ اپنی استعداد کے مطابق مختلف انبیاء علیہم السلام کی شانوں سے مستفیض ہوتے ہیں۔

ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں بزرگ قدم موسیٰ علیہ السلام پر ہیں اور فلاں قدم ابراہیم علیہ السلام پر ہیں اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان بزرگ کو یہ فیض نہیں ہوا۔ اور موسیٰ علیہ السلام سے ہوا بلکہ وہ فیض تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر یہ ایک اصطلاح ہے اور تفسیر اس کی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام شیون کے جامع ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں شان موسویت، عیسویت سب کچھ ہے کوئی شاعر کہتا ہے ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری(۱)

چنانچہ حدیث میں بھی یہ مضمون آیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو سنا کہ کوئی کہتا ہے موسیٰ کلیم اللہ ہیں اور کوئی کہتا ہے ابراہیم خلیل اللہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے سب سنا اور سب درست ہے لیکن ((الا ان صاحبکم حبیب اللّٰہ)) یعنی تمہارا صاحب یعنی میں حبیب اللہ ہوں۔ محبوبیت خاصہ کا وہ مرتبہ ہے کہ تمام مراتب کو جامع ہے اور حدیث میں ہے کہ آدم اور تمام انبیاء میرے جھنڈے کے نیچے ہیں اور یہ کوئی فخر نہیں (یعنی فضل ہے) اس سے بھی جامعیت کی طرف اشارہ ہے۔

تتمہ شرح مسئلہ تصوف

پس کسی ولی کو تو فیض ہوتا ہے اس شان محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو مسمّی بہ شان موسوی ہے۔ اور کسی کو فیض ہوتا ہے اس شان محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو مسمّی بہ شان ابراہیمی ہے جس کو جس شان سے زیادہ مناسبت ہوتی ہے اسی شان کا اس میں ظہور ہوتا ہے۔ پس ان بزرگ محقق نے ظاہر فرمادیا کہ ان کا قدم موسیٰ پر انتقال ہوا ہے۔

(۱) ''یوسف علیہ السلام کا حسن عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا اور موسیٰ علیہ السلام کا ید بیضا جو ان لوگوں میں الگ الگ تھا وہ سب تیرے پاس یکجا ہے''۔

حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت

حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی حالت معلوم نہ تھی کہ میں کس مرتبہ میں ہوں اور اس پر تعجب نہ کرنا چاہیئے اگر کسی بچہ کے نام سے دس ہزار روپیہ بینک میں جمع کرادیئے جاویں اور اس کو اطلاع نہ ہو تو دیکھئے وہ بچہ دولتمند ہے اور اس کو کچھ خبر نہیں کہ میری ملک میں اس قدر روپیہ ہے۔ غرض وہ جویاں تھے(۱) کہ مجھے معلوم ہوجاوے کہ کس مقام سے مجھ کو نسبت ہے اس زمانہ میں ایک مشہور بزرگ تھے حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید نے چاہا کہ ان بزرگ کی زیارت کریں اپنے پیر سے ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی انہوں نے اجازت دیدی محقق وہی ہے کہ اپنے مریدوں کو کسی سے نہ روکے جس سے چاہیں ملیں لیکن علاج ایک ہی سے کرانا چاہیئے۔ ایسی مثال ہے کہ مریض علاج تو ایک ہی طبیب سے کراتا ہے لیکن مطب میں اوروں کے بھی چلا جاتا ہے۔ اور گاہے مشورہ بھی لے لیتا ہے۔ چنانچہ وہ مرید ان بزرگ کی خدمت میں پہنچے اور اُن کی زیارت سے مشرف ہوئے، انہوں نے کہا کہ تمہارا یہودی پیر اچھا ہے۔ مرید کو سن کر بہت غصہ آیا کہ یہ بڑے مہمل آدمی ہیں کہ میرے پیر کو یہودی کہتے ہیں لیکن چونکہ خود پیر بھی اُن کا ادب کرتے تھے دل ہی دل میں پیچ وتاب کھا کر رہ گئے، یہاں سے رخصت ہوکر پیر کے پاس پہنچے پیر نے پوچھا کہ کچھ ہمارا بھی ذکر آیا تھا مرید نے کہا کہ حضرت آیا تو تھا مگر انہوں نے حضور کی شان میں ایک بہت بُرا لفظ کہا۔ حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ کہو تو سہی کیا کہا؟ انہوں نے نقل کردیا کہ انہوں نے یہ کہا کہ تمہارا یہودی پیر بھی اچھا ہے۔ یہ سن کر حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ پر ایک

(۱) وہ اس تلاش میں تھے۔

حالت طاری ہوگئی اور کہا کہ الحمد للہ میں قدم موسیٰ پر ہوں۔ غرض مرنے کے وقت جو حالت مردوں کی ہو اس کو چھپانا چاہیئے اور گمان نیک رکھنا چاہیئے۔

مرتے وقت مردے کی بُری حالت پر اس کو بُرا نہ سمجھے

اس کی کسی حالت سے اس کے برے ہونے پر استدلال نہ کرے ایک قصہ اور یاد آ گیا، ہمارے دادا پیر حضرت میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانوی قدس سرہ کے ایک پیر بھائی تھے مگر وہ مثل مرید کے تھے شیر خاں اُن کا نام تھا جب اُن کا انتقال ہونے لگا تو وہ چپ تھے کلمہ اُن سے پڑھواتے تھے اور وہ نہ پڑھتے تھے۔ لوگوں کو بڑی وحشت ہوئی کہ ایسے ذاکر شاغل آدمی اور ایسی حالت میں دنیا سے جا رہے ہیں۔ حضرت میاں جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اطلاع ہوئی حضرت اُن کے پاس تشریف لائے اور پوچھا کہ کیسے ہو؟ فرمایا بہت اچھا ہوں مگر ان کو منع کر دیجئے کہ مجھ کو پریشان نہ کریں یہ مجھ کو مسمّٰی سے اسم کی طرف لاتے ہیں (۱)۔ میں غافل نہیں ہوں۔ حضرت نے لوگوں سے کہا کہ بھائی اُن کو ان کی حالت پر چھوڑ دو یہ بڑے مقام پر ہیں تم کو ان کی کیا خبر ہے۔

حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم کی حکایت

ایک اور بزرگ تھے انبیٹھ میں ان کی حکایت مولوی محمد صدیق صاحب مرحوم گنگوہی بیان کرتے تھے کہ وہ دو بھائی تھے ایک بھائی تو نقشبندیہ سلسلہ میں کسی سے بیعت تھے اور دوسرے جن کی یہ حکایت ہے ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ بھائی ان کو ہمیشہ ترغیب دیا کرتے تھے کہ تم مجھ سے بھی فیض حاصل کرلیا کرو ورنہ محروم رہو گے پچھتاؤ گے یہ ٹال دیتے تھے۔ اتفاق سے ان کا

(۱) میں مشاہدہ حق میں ہوں یہ مجھے اس کا نام لینے کا حکم دے رہے ہیں۔

انتقال ہونے لگا مگر اس وقت وہ چپ تھے کلمہ وغیرہ نہ پڑھتے تھے۔ جب بھائی نے یہ حالت دیکھی تو کہا کہ دیکھو میں کہا نہ کرتا تھا کہ محروم رہوگے۔ اب کہاں گئی وہ نسبت حاجی صاحب کی، کہاں گیا وہ فیض، یا تو وہ بے ہوش تھے یا بے ساختہ جوش میں اُن کی زبان پر جاری ہوگیا: ﴿يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَلِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ﴾ (۱) حالانکہ وہ عربی بھی نہ جانتے تھے اور اس کے بعد ذکر جاری ہوا اور اسی میں انتقال ہوگیا۔ مولوی محمد صدیق صاحب مرحوم کہتے ہیں کہ میں اس وقت موجود تھا جب یہ ہوا تو میں نے ان کو خوب آڑے ہاتھوں لیا کہ دیکھو یہ ہے نسبت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی۔ اور افسوس ہے تمہارے حال پر شیخ ہونے کا دعویٰ کرتے ہو اور اُن کی حالت کو نہ سمجھ سکے۔ غرض انتقال کے وقت اس قسم کی حالتیں پیش آتی ہیں کہ ہر شخص ان کو نہیں سمجھ سکتا۔ کسی حالت کو دیکھ کر کوئی حکم اس پر نہیں لگا سکتے۔ پس اسی طرح اس تاجر کے اس حال سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ بُری حالت میں مرا، لیکن یہ ضروری کہا جاوے گا کہ اس کے دل میں کچھ اور شئے بسی ہوئی ہے کہ وہ زبان پر آگئی۔

سوتے ہوئے بڑبڑانے اور خواب کا کچھ اعتبار نہیں

اسی طرح سوتے ہوئے جو آدمی بڑبڑاتا ہے وہ بھی قابل افسوس نہیں ہے اور اسی طرح بُرے خواب سے بھی غمگین نہ ہونا چاہیئے خواب کے اندر یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ کسی بیداری کی حالت کی تو دلیل نہیں اگر بیداری کی دلیل ہو تو واقعی قابل تاسف ہے (۲) ورنہ خواب ایسی کوئی شئے نہیں۔ مجھ سے تو اگر کوئی خواب کی تعبیر

(۱) ''کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہوجاتی کہ میرا پروردگار نے مجھ کو بخش دیا اور مجھ کو عزت داروں میں شامل کردیا'' سورۂ یٰس آ:۲۶۔۲۷ (۲) افسوس کے قابل ہے۔

پوچھتا ہے تو میں صاف کہہ دیتا ہوں کہ مجھے خواب سے مناسبت نہیں اور یہ شعر لکھ دیتا ہوں ۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چو غلام آفتابم ہمہ زآفتاب گویم(۱)

ہاں خواب بعض مرتبہ جو کسی بیداری کی حالت پر دلیل ہو اور وہ حالت ہو افسوس ناک تو وہ خواب بھی واقعی افسوس کے قابل ہے، نہ خواب ہونے کی حیثیت سے بلکہ حالت بیداری کی حیثیت سے، کیونکہ بیداری کی حالت میں جب آدمی کو کسی شے کے اندر انہاک ہوتا ہے تو ہر وقت وہی شے دل میں بسی رہتی ہے اور اس قدر غلبہ اس کا ہوتا ہے کہ اس کو احساس بھی اس کا نہیں ہوتا کہ میری یہ حالت ہے خواب میں بھی وہی دیکھتا ہے۔ جیسے کسی طالب علم سے پوچھا تھا کہ دو اور دو کتنے ہوتے ہیں تو اس نے کہا چار روٹیاں۔ غرض آدمی کے دل میں بُری شے یا اچھی شے جو بھی سما جاوے اس کی یہی حالت ہوتی ہے اس لئے مباحات میں بھی اتنا انہاک نہ کرے کہ ہر وقت وہی دل میں بس جاوے اور گو اس کو فتوے میں گناہ نہ کہا جاوے لیکن مضر ضرور ہے اور ابھی تک میں نے اس انہاک فی المباحات (۲) کی مضرت بیان نہیں کی کہ وہ کیا مضرت ہے۔

مباحات میں انہاک کا نقصان

اب بیان کرتا ہوں کہ اس آیت کے شان نزول کو ترجمہ کے ساتھ منضم کرنے سے (۳) معلوم ہوتا ہے کہ یہ انہاک مذکور مضر خشوع ہے (۴) اس لئے کہ سبب نزول کا

(۱) ''نہ میں رات ہوں اور نہ میں رات کا پرستار کہ نیند کی باتیں کہوں میں تو آفتاب کا غلام ہوں اس لئے تمام روشن باتیں کہتا ہوں'' (۲) جائز باتوں میں منہمک ہونے کا نقصان نہیں بیان کیا (۳) ملانے سے (۴) یہ انہاک خشوع کے لئے نقصان دہ ہے۔

اثر بیان فرمانا مقصود ہے اور سبب نزول ہے ہنسی اور دل لگی جیسا اوپر ذکر ہوا اور وہ مباح ہے اور اس کا یہ اثر بیان فرمایا کہ اس سے قساوت پیدا ہو جاوے گی۔ کہنا تو یہ تھا کہ یہ کیا ہنسی دل لگی چھوڑنے کا وقت نہیں پہنچا؟ اور فرمایا یہ کہ کیا خشوع کا وقت نہیں پہنچا؟ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حالت خشوع کے خلاف ہے چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ جو شخص زیادہ ہنسی دل لگی کرتا ہے اس کے قلب سے حلاوت اور بہار و لطف جاتا رہتا ہے جس کو ذرا احساس وتمیز ہو وہ دیکھ لے کہ زیادہ ہنسنے اور زیادہ باتیں کرنے سے لوح قلب(۱) بالکل ایسی ہو جاتی ہے جیسے دھلی ہوئی جس نے تھوڑی سی خلوت حاصل کی ہوگی وہ محسوس کر سکتا ہے کہ جب مباحات میں انہماک کرتا ہے تو واللہ اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بجائے دل کے ایک پتھر رکھا ہوا ہے چنانچہ ایسے لوگ یہ حالت دیکھ کر مغموم بھی ہوتے ہیں اور استغفار بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ کچھ دیر کے بعد پھر قلب اپنی اصلی حالت پر آ جاتا ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

بر دل سالک ہزاراں غم بود چوں زباغِ دل خلالے کم بود(۲)

بعض لوگوں پر ایسا غم سوار ہوا ہے کہ انہوں نے اس غم میں خودکشی کر لی ہے اس حالت کو قبض کہتے ہیں۔ مولانا ایسے شخص کو تسلی دیتے ہیں اور اس کا غم گھٹاتے ہیں ؎

چونکہ قبضے آیدت اے راہ رو آں صلاح تست آگیں دل مشو
چونکہ قبض آمد تو دروے بسط بیں تازہ باش وچیں میفگن برجبیں (۳)

عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

---

(۱) دل کی سلیٹ (۲) ''سالک کے دل کے باغ سے ایک تنا بھی کم ہو جائے تو اس کو ہزاروں فکریں ہو جاتی ہیں'' (۳) ''اگر مجھ پر قبض وانبساط کی حالت آ جائے تو تیرے لئے بہتر ہے کہ دلگیر نہ ہو چونکہ تجھ پر قبض طاری ہوتا ہے تو اس کے اندر کشادگی تلاش کر اور تازہ ہو جا اور پیشانی پر شکن مت ڈال''۔

باغ باں گر پنج روزی صحبت گل بایدش　　بر جفائے خار ہجراں صبر بلبل بایدش
اے دل اندر بند زلفش از پریشانی منال　　مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدش(۱)

یہ تسلی ان لوگوں کے لئے ہے جو پہلے سے غم میں مبتلا ہیں اور جو پہلے سے بے غم ہیں جیسے ہم لوگ ایسوں کے لئے غم وفکر کی تعلیم کی جاتی ہے چنانچہ کہتے ہیں ؎

اے برادر عقل یکدم با خود آر　　دمبدم در تو خزاں است و بہار (۲)

مطلب یہ ہے کہ ظاہری بہار کو کیا دیکھتے ہو تمہارے اندر خود ایک بہار ہے اس کو دیکھو کہ مبدل بخزاں تو نہیں ہوگئی کسی اور کا شعر ہے ؎

ستم است اگر ہوست کشد کہ بسیر و سروسمن درآ
تو زغنچہ کم نہ دمیدۂ دردل کشا بچمن درآ(۳)

اور حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

خلوت گزیدہ را بتماشا چہ حاجت است
چوں کوئے دوست ہست بصحرا چہ حاجت است(۴)

واقعی جنگل میں کیا رکھا ہے جو شخص اپنے قلب کا مطالعہ کرتا ہے اس کو تو وہ لطف حاصل ہے کہ وہ کہیں بھی نہیں۔ یہ مضمون تو تبعاً مذکور ہو گیا۔ مقصود اصلی یہ تھا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مباحات کی کثرت مضر خشوع ہے(۵) اور یہ ہنسی دل

(۱) ''اے باغباں اگر پانچ روز بھی گل کی صحبت میسر ہو جائے تو جدائی کے کانٹوں کی تکالیف پر بلبل کو صبر آ سکتا ہے اے دل تو اس کی زلفوں میں گرفتار ہو کر پریشان مت ہو کیونکہ عقلمند پرندہ جب جال میں پھنستا ہے تو اس کو صبر کرنا چاہیئے'' (۲) ''اے بھائی تھوڑی دیر کے لئے عقل سے کام لے کیونکہ ہر وقت تیرے اندر خزاں بھی ہے اور بہار بھی'' (۳) ''یہ ستم ہے کہ تجھ کو ہوس سروسمن کی سیر کے لئے کھینچے حقیقت یہ ہے کہ تو خود غنچہ سے کم نہیں ہے اپنے دل کا دروازہ کھول اور چمن کا نظارہ کر'' (۴) ''جو خلوت گزیں ہو گیا ہے اسے تماشا کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے لئے دوست ہے اس کو صحرا کی کیا ضرورت ہے'' (۵) جائز کاموں میں بھی زیادہ مشغول ہونا خشوع کے لئے نقصان دہ ہے۔

لگی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ جس شئے میں بھی حد سے زیادہ مشغولی ہوگی اس کا یہی اثر ہے مثلاً کپڑا پہننے میں تعمیر میں تجارت میں سب کا اثر یہی ہے کہ قلب کے اندر کدورت اور سختی پیدا ہوگی یہ تو قرآن مجید سے ثابت ہوا، اب احادیث لیجئے۔

جائز کاموں میں انہماک کے نقصان کے دلائل

((لَا تُکْثِرُ الْکَلَامَ بِغَیْرِ ذِکْرِ اللّٰهِ فَاِنَّ کَثْرَةَ الْکَلَامِ بِغَیْرِ ذِکْرِ اللّٰهِ قَسْوَةٌ لِلْقَلْبِ وَاِنَّ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللّٰهِ الْقَلْبُ الْقَاسِی))(۱) یعنی اللہ کی یاد کے سوا کلام کی کثرت نہ کرو اس لئے کہ کثرت کلام بدون ذکر اللہ کے قساوت قلب ہے اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ دور قلب قاسی ہے اور ارشاد ہے ((لَا تُکْثِرُ الضَّحِكَ فَاِنَّ کَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِیْتُ الْقَلْبَ))(۲) یعنی ہنسی زیادہ مت کرو کیونکہ ہنسی کی کثرت دل کو مردہ کردیتی ہے۔ حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

دل ز پر گفتن بمیرد در بدن		گرچہ گفتارش بود در عدن
گر خبرداری ز حی لا یموت		برزبان خود بنہ مہر سکوت(۳)

یہ بزرگوں کے ارشادات بھی حدیثوں ہی کے ترجمے ہیں۔

اور ایک حدیث اس مسئلہ پر سب سے زیادہ دال ہے گو اس میں ذرا فکر کی ضرورت ہے اور اس میں بہت بڑی مضرت کی تصریح ہے اور نیز طلباء کے کام کی بات ہے وہ یہ ہے کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ عید کا دن تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم دولت خانہ میں تشریف رکھتے تھے دو لڑکیاں دف لئے بجارہی تھیں اور گارہی تھیں اور ایک

---

(۱)(۱) سنن الترمذی: ۴۳۳/۸ (۲) سنن الترمذی: ۲۷۵/۸ (۳) ''دل زیادہ بولنے سے بدن کے اندر مرجاتا ہے اگرچہ اس کی گفتار عدن کے موتی کے برابر ہی کیوں نہ ہو اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کی کچھ بھی خبر ہے تو اپنی زبان پر مہر سکوت لگالے''۔

روایت میں ایک قصہ حبش کا آیا ہے کہ لڑکے جمع تھے اور اُچھل کود رہے تھے۔
میرٹھ میں ایک شخص نے ایک روایت سے دعویٰ کیا کہ (نعوذ باللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گانا بجانا سنا اور ناچ دیکھا۔ بات یہ ہے کہ بُرے آدمی کی نظر بھی بُری ہی طرف جاتی ہے چونکہ اپنے دماغ میں خبائث ہے اس قصہ میں بھی اسی طرف ذہن گیا۔ ایک بددین نے جنت کی حوروں کے اعتقاد کے متعلق طعن کیا ہے کہ مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ جنت میں عورتیں ہیں وہ چاندی کے کنگن پہنیں گی جیسے ہمارے یہاں کی گھوسنیں (۱)۔ مولوی محمد علی صاحب بچھرایونی نے خوب جواب دیا ہے کہ چونکہ خود گندہ تھا خیال میں بھی گندی ہی عورتیں آئیں: ﴿اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ﴾ (۲) اسی طرح ان میرٹھی صاحب نے بات کہی چونکہ طبیعت میں ناپاکی ہے اس لئے کسبیوں ہی کی طرف ذہن گیا اگر شرافت اور سادگی اور پاکی طبع میں ہوتی تو اس طرف ذہن نہ جاتا۔ جناب من یہ لڑکیاں جوان نہ تھیں یہ نابالغ چھوٹی چھوکریاں تھیں جو اکثر گھروں میں اُدھم مچایا کرتی ہیں اور ان کا گانا بھی ایسا ہی تھا جیسے گھروں میں بسا اوقات ان کو شور مچاتے دیکھا ہوگا۔ گانا ان کا کیا ہوتا ہے' یہ گانا ہے۔ ''میری مہندی کے جوڑے جوڑے پات ری بو واری واری جا'' نہ ان کے گانے میں کچھ لطف ہوتا ہے اور نہ ان کے دف میں کوئی فتنہ۔ اسی طرح وہ حبشی یونہی سڑے بُسے پاگلوں کی طرح کود رہے تھے جس سے بجائے لطف کے اور تکدر ہوتا تھا محض لڑکوں کا ایک کھیل تھا۔ جیسے ایک ڈوم (۳) حج کرنے گیا تھا بدوؤں کا گانا سنا، سنکر کہنے لگا قربان جاؤں اپنے حضرت جی کے ایسوں ہی کا راگ سنا ہے جو حرام کردیا۔ میرا راگ سنتے تو ثواب کا وعدہ فرمالیتے۔ بہرحال انہیں

(۱) دودھ بیچنے والی گوالن (۲) ''خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے'' سورۂ نور: ۲۶ (۳) قوّال۔

بدوؤں کی طرح کی دو چھوکریاں تھیں اور وہ کچھ گا بجارہی تھیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم چادرہ اوڑھے لیٹے ہوئے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور وہ برابر اسی طرح گاتی رہیں۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو وہ بھاگ گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو میں لیٹا تھا یہ لڑکیاں گاتی رہیں۔ اس کے بعد ابوبکر آئے پھر بھی گاتی رہیں۔ پھر اے عمر تم آئے تمہارے آتے ہی بھاگ گئیں تم سے شیطان بھاگتا ہے، اس حدیث میں طلباء کو سخت اشکال ہوتا ہے کہ وہ فعل جائز تھا یا ناجائز، اگر ناجائز تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے گوارا فرمایا اور اگر ناجائز نہیں تھا بلکہ جائز تھا تو شیطان کی طرف اس کو کیوں نسبت فرمائی۔ میری اس تقریر سے یہ اشکال حل ہوگیا۔ بات یہ ہے کہ تھا تو یہ فعل مباح لیکن بوسائط اس کی کثرت مضر ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تشریف لانے تک تو کثرت نہ تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے وقت آئے کہ اس وقت کثرت ہوگئی۔ شیطان کا دخل آگیا اور اس کا وقت آپہنچا کہ اس فعل سے شیطان اپنا کچھ کام نکالے حتی کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی نہ آتے تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس وقت اس کو روک دیتے مگر پھر بھی یوں نہ کہیں گے کہ اس حالت میں یہ فعل مباح نہیں رہا تھا لیکن یہ مباح ایسا ہے کہ احیاناً رابطہ ہوجاتا ہے کسی امر ناجائز کا اب کوئی اشکال نہیں ہے اور یہاں سے اس حدیث کے معنی بھی سمجھ میں آگئے ہوں گے کہ ابغض المباحات طلاق ہے (۱) کیونکہ بنا بر تقریر مذکور ممکن ہے کہ بعض چیزیں حلال اور مباح ہوں اور مضر ہوں، مثلاً کسی نے طلاق دی تو دیکھو طلاق مباح ہے لیکن ممکن ہے کہ وہ سبب ہوجائے دوخاندانوں کی باہمی کدورت (۲) کا چنانچہ ایسا ہوتا بھی ہے۔ اور نیز ممکن ہے کہ اس عورت کے اندر آوارگی آجائے اس لئے طلاق مباح بھی اور ابغض بھی ہے (۳)۔

(۱) جائز باتوں میں سب سے ناپسندیدہ طلاق دینا ہے (۲) بدمزگی کا (۳) اس لئے طلاق جائز بھی ہے اور ناپسندیدہ بھی۔

بہر حال میرا مقصود تو یہ ہے کہ جو لوگ مباحات میں کثرت رکھتے ہیں ان کو چاہیئے کہ ذرا اپنے نفس کو روکیں گو وہ امر مباح ہی ہو کیونکہ مباح ہونے سے یہ تو ضروری نہیں کہ اس میں حد سے بڑھ جائے دیکھو کھانا فی نفسہ مباح ہے۔ لیکن دو لقمہ اگر زیادہ کھائے جاویں گے تو تخمہ ہو جائے گا[۱] وہی نفیس غذا سبب ہو جاتی ہے تکلیف اور مرض کا اور اسی واسطے چونکہ مباح کی کثرت باوجود مباح ہونے کے مورث فسادات اور منافی خشوع ہے[۲]۔ حضور ﷺ جب مجلس سے اُٹھتے تھے تو پڑھتے تھے۔ ((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ)) اس لئے کہ شاید مجلس میں کوئی امر ایسا ہو گیا ہو جو بوسائط بعیدہ سبب ہو جاوے کسی محذور کا[۳] تو اس کا یہ کفارہ ہو جاوے گا۔ جب حضور ﷺ باوجود اس پاکی اور عصمت کے اس قدر احتیاط فرماتے ہیں تو ہم کو تو بطریق اولیٰ اس کا اہتمام ضروری ہے۔

شرح حدیث

اور یہاں سے ایک حدیث کی بھی شرح ہوتی ہے جس کے اندر شراح حدیث کو حیرانی ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے ((اِنَّهُ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِىْ وَاِنِّىْ لَاَسْتَغْفِرُاللّٰهَ فِى الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ))[۴] اس میں حیرانی ہوئی ہے کہ یہ غین جس کے معنی ابر اور گرد و غبار کے ہیں کیا تھا۔ خدانخواستہ معصیت کا تو تھا نہیں تو ممکن ہے کہ وہ ایسے مباح کا اشتغال ہو کہ جو فی نفسہ معصیت نہیں[۵] لیکن کثرت اس کی گو وہ مباح ہو بلکہ ہمارے اعتبار سے عبادت سے بھی بڑھ کر ہو مگر حضور ﷺ کے

(۱) بدہضمی کی وجہ سے الٹی ہو جائیگی (۲) فساد پیدا کرنے کا سبب اور خشوع کے خلاف ہے (۳) دور کے واسطے سے سبب ہو جائے کسی ممنوع بات کا (۴) صحیح مسلم: ۲۱۶/۱۳ (۵) وہ ایسے جائز کام میں مشغول ہونا ہو جو اپنی ذات کے اعتبار سے گناہ نہ ہو۔

مرتبہ کے اعتبار سے خشوع کے کسی درجہ کے منافی ہو(۱) کیونکہ بعضے باتیں مباح ہوتی ہیں مگر چونکہ حد سے ذرا بڑھی ہوئی ہے اس لئے اس کا اثر بھی صحیح الادراک کو محسوس ہوتا ہے(۲)۔ جس طرح جو لطیف المزاج اور ذکی الحس ہوتا ہے(۳) اس کو دور کی آواز محسوس ہوتی ہے مشہور ہے کہ بوعلی سینا اس قدر ذکی الحس تھا کہ بارہ بارہ میل کی آواز سنتا تھا یہ حکم تھا کہ بارہ بارہ میل چکی نہ چلے اس لئے کہ چکی کی آواز سے شیخ کو نیند نہ آتی تھی۔

مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی نفاست مزاج

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی لطافت ونفاست مزاج کے قصے بہت مشہور ہیں۔ سنا ہے کہ ایک شخص نے انگور ہدیۃً بھیجے، اپنے نزدیک اس نے نہایت نفیس چھانٹ کر بھیجے تھے حضرت نے ایک دانہ چکھ کر چھوڑ دیا۔ ایک روز وہ مہدی صاحب(۴) آئے اور عرض کیا کہ حضرت میں نے انگور بھیجے تھے پہنچے بھی۔ حضرت نے فرمایا پہنچ گئے۔ اب یہ رئیس صاحب منتظر تھے کہ کچھ داد ملے گی، حضرت فرما کر خاموش ہو گئے۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ حضرت نے معلوم ہوتا ہے کچھ التفات نہیں فرمایا۔ پھر پوچھا حضرت آپ نے کھائے بھی کیسے تھے فرمایا کہ میاں کیا بتلاؤں ان میں مُردوں کی بو آتی تھی وہ شخص سُن کر حیران ہوا کہ انگوروں کو مردوں سے کیا تعلق کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ بہت تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ان انگوروں کے درخت مدت دراز ہوئی کہ مرگھٹ میں لگائے گئے تھے۔

تشریح حدیث ((لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ))

پس ادراک باطنی میں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی لطیف المزاج نہیں آپ نے اس مضرت کو محسوس فرما کر غین سے تعبیر فرمایا اور اس سے استغفار کیا

(۱) خشوع کے کسی درجہ کے خلاف ہو (۲) جس کی حس قوی ہو اس کو محسوس ہوتی ہے (۳) جس کا مزاج نازک اور حس تیز ہو (۴) جنہوں نے ہدیہ بھیجا تھا۔

اس کی ایک دلیل اور لیجئے ایک شخص تھے ابوجہم انہوں نے ایک منقش چادر حضور ﷺ کے لئے بھیجی تھی حضور ﷺ نے اس کو اوڑھ کر نماز پڑھی اور نماز کے بعد یہ فرمایا کہ یہ چادر واپس کردو اور اس کے پاس سے سادہ چادر لے آؤ۔

دیکھئے محتمل افضاء الی الالہاء[۱] سے آپ نے کس درجہ احتیاط فرمائی۔ پھر فرمایا کہ ((فَاِنَّھَا کَادَتْ اَنْ تلھینی اٰنِفًا)) یعنی قریب تھا کہ وہ ابھی میرا دل بٹا دیتی۔ اور جب حضور ﷺ قرب وقوع یعنی احتمال افضاء کا پہلے سے یہ انسداد[۲] وانتظام فرماویں تو ہم کو تو بہت زیادہ ضرورت ہے کہ بہت ہی پہلے سے اس کا انتظام کریں اس لئے کہ آپ تو عین وقت پر بھی نفس کو روک سکتے تھے آپ کا نفس تو بالکل قابو میں تھا اور ہمارا نفس تو منہ زور گھوڑے کی طرح ہے کہ جب نکل جاتا ہے پھر قابو میں نہیں رہتا پھر جو کچھ بھی اس سے صادر ہو بعید نہیں اس لئے ہم کو بہت انتظام کی ضرورت ہے ورنہ وقت پر بچنا ایسا مشکل ہو جاتا ہے کہ اس دشواری کو دیکھ کر بعض ملحدوں نے شریعت پر الزام لگا کر یہ شعر بک دیا ہے۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردۂ　　　باز میگوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش[۳]

جواب یہ ہے کہ ہر کام تدبیر سے ہوتا ہے۔ تم کو جو کچھ کشمکش شریعت میں پیش آتی ہے وہ تمہاری سوءِ تدبیر سے ہے[۴]۔ اس لئے کہ نفس کو اول سے روکا نہیں جاتا جب اس کے اندر مواد خبیثہ پیدا ہو جاتے ہیں[۵] اور وہ قابو سے باہر ہو جاتا ہے اس وقت رُکنے کی دشواری دیکھ کر شریعت پر الزام لگا دیتے ہیں جب مادہ کے اندر فساد آجاتا ہے تو اس کا زوال سہل نہیں بہت سے تلخ مسہل و منضج کا استعمال[۶]

---

(۱) اس کے نقش ونگار میں سے دل کے الجھنے کا احتمال تھا (۲) روک تھام (۳) ''تو نے دریا کی گہرائی میں مجھے تختہ بند کر دیا ہے اور پھر مجھ سے تو یہ کہہ رہا ہے کہ ہوشیار رہنا دامن نہ بھیگے'' (۴) بُری تدبیر کی وجہ سے ہے (۵) بُرے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں (۶) بہت سی کڑوی دست آور دوائیں استعمال کرنے کی ضرورت ہوگی۔

کرنے کے بعد صلاح پر آوے گا دیکھو اگر گلے میں روٹی کا ٹکڑا اٹک جاوے تو یہ خرابی سوء استعمال سے ہے پکانے والی کی خرابی نہ سمجھی جاوے گی۔شروع سے نفس کو روکو تدبیر کرو تو بہت سہولت سے وہ رُک جاوے گا، اور خیر اگر اول نہیں روکا تو اب بھی تدبیر ہوسکتی ہے گو کچھ دشواری پیش آوے مادہ نفس کا درست کرو تدبیر کرو، آج تو تم پر یہ احکام شاق ہیں[1] اور بعد معالجہ کے یہی احکام تمہاری طبیعت ثانیہ بن جاویں گے آج نماز تو تم پر ﴿ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ ﴾ ہے[2] اور بعد اس مجاہدہ و ریاضت کے ((جعلت قرة عيني في الصلوٰة))[3] کا مصداق ہوجائے گا۔غرض ایک غلطی تو مباحات میں یہ تھی جو مفصل طور سے عرض کی گئی کہ اس میں اس قدر وسعت کرلی گئی۔

بعض لوگ مباحات کے اندر تنگی بہت کرتے ہیں

دوسری غلطی اس سے زیادہ سخت ہوتی ہے پہلی غلطی تفریط تھی اور دوسری افراط ہے۔پہلی غلطی اُن لوگوں کی تھی جو اس کے ضرر سے آگاہ ہی نہیں اور دوسری ان لوگوں کی ہے جو توسع کے ضرر سے آگاہ تو ہوئے لیکن یہ نہیں کیا کہ اعتدال پر آجاتے، انہوں نے اس قدر تنگی شروع کی کہ ہر امر میں ان کو شک اور وہم ہونے لگا۔کھانے میں، پینے میں، برتن میں، کنوئیں میں، ہر شئے میں وہم اور زیادہ تر ایسے لوگوں کا تقویٰ، طہارت و نجاست میں ہوتا ہے۔ایک حافظ جی تھے اس قدر وہمی تھے کہ جب ان کو غسل کی ضرورت ہوتی تھی تو تالاب یا نہر پر جا کر غوطہ لگاتے تھے اور غوطہ کے بعد لوگوں سے پوچھا کرتے تھے کہ میرا کوئی بال خشک تو نہیں رہ گیا۔لڑکے دق کرنے کے لئے کہہ دیتے تھے کہ حافظ جی بہت بال خشک رہ گئے بیچارے پھر غوطہ لگاتے تھے اور بڑی دیر میں سر نکالتے تھے۔لڑکے بھی ایسے شریر ہوتے ہیں کہ استاد کے ساتھ بھی شرارت سے باز نہیں آتے۔

---

(۱) مشکل (۲) بیشک وہ بہت بھاری ہے (۳) میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

ایک اور حکایت لڑکوں کی شرارت کی یاد آ گئی ایک حافظ جی کے پاس لڑکے پڑھتے تھے حافظ جی کے پاس کہیں سے بتاشے آ گئے۔ حافظ جی تھے بڑے لالچی اور وہمی۔ ان بتاشوں کو ایک لوٹے میں بند کر کے اس کا منہ آٹے سے بند کر دیا کہ اگر اس میں سے لیں گے تو ضرور خبر ہو گی لڑکوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ کیا تدبیر کی جاوے کہ منہ بھی نہ کھولنا پڑے اور بتاشے بھی ہاتھ آ جاویں۔ آخر سوچنے سے ایک تدبیر سمجھ میں آ گئی ٹونٹی کی راہ سے اس میں پانی بھر دیا وہ سب شربت بن گیا۔ سب تھوڑا تھوڑا پی گئے۔

ایک اور وہمی تھے وہ جب وضو کرتے تھے پورا چہرہ حوض میں گردن سمیت ڈبو دیتے تھے، ایک شخص نے ان سے کہا کہ آج میں تمہارا وضو کراؤں گا چنانچہ لوٹے میں پانی لیا اور انکو وضو کرایا کہنے لگے کہ آج تو میرا وضو ہو گیا انہوں نے کہا کہ بس ایسے ہی ہمیشہ کر لیا کرو جب نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو نیت توڑ کر پھر حوض پر گئے اور منہ اس کے اندر ڈبویا جب چین ہوا۔ اللہ بچاوے ایسے تقویٰ سے۔

درمختار میں ایک جزئیہ لکھا ہے کہ جس شخص کو دیکھو کہ ایک دانہ گیہوں کا لئے ہوئے تحقیق کرتا پھر رہا ہے کہ یہ کس کا ہے "یعزر" یعنی ایسے شخص کو سزا دی جاوے گی اس لئے کہ یہ شریعت میں کہاں ہے کہ ایک دانہ کی جو بالکل متقوم نہیں (۱) تحقیق کرو۔ اس نے حدود سے تجاوز کیا اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے فقہاء کو انہوں نے قرآن و حدیث کو خوب ہی سمجھا ہے اور فقہ اسی سمجھ کا نام ہے نہ کہ کتب بینی کا۔

شاہد آں نیست کہ موئے و میانے دارد بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد (۲)

یہ ہر شخص کا کام نہیں اور مجتہد اور فقیہ اُسی کو نہیں کہتے جس کو بہت سے مسائل یاد ہوں قوت اجتہاد تو ایک خداداد نعمت ہے کہ جوان کا ہی حصہ تھا ختم ہو گیا۔

(۱) جس کی کوئی قیمت ہی نہیں (۲) "معشوق وہ نہیں جس کے پاس اچھے بال اور کمر ہو بلکہ تو اس چہرہ کا غلام بن جا جس میں آن پائی جاتی ہو"۔

پس زیادہ تقویٰ کرنا اور بہت خشکی کرنا دینداری نہیں ہے بہت لوگ دینداروں کے طبقہ میں اس غلطی میں مبتلا ہیں۔

مباحات میں تنگی کرنے والوں کی قرآن سے دلیل

اب میں اس غلطی کے دلائل بیان کرتا ہوں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ (۱) یعنی ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرمادیجئے کہ کس نے حرام کی ہے اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے اور کس نے حرام کی ہیں پاکیزہ چیزیں رزق سے اس میں رد ہوگیا ان جہلاء صوفیا (۲) کا جو کھانے پینے کی چیزوں میں اپنے نفس پر تنگی کرتے ہیں۔ میوہ نہیں کھاتے گوشت نہیں کھاتے اور اناج نہیں کھاتے صرف دودھ پی لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم لوگ تو زاہد ہیں ہم کو دنیا کے تنعّمات سے کیا علاقہ ہے (۳) لیکن ان کو خبر نہیں کہ ایک حظ سے تو نفس کو روکا اور دوسرے حظ میں اس کو مشغول کیا وہ کیا ہے حب جاہ (۴) اس لئے کہ ان چیزوں کے ترک کرنے سے شہرت ہوتی ہے اس سے عجب اور کبر پیدا ہوتا ہے اور یہ سخت تر ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ (۵) کا معمول تھا کہ جب ساتھ میں کھانے کے لئے بیٹھتے تھے تو اخیر تک کھاتے رہتے تھے اور کھاتے تھے اوروں سے کم، تو حضرات بزرگان دین کیا کرتے ہیں کہا نہیں کرتے اور حضرت فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص کسی کے پاس اللہ کے واسطے کوئی شئے لاوے تو ضرور کھانا چاہئیے اس سے نور پیدا ہوتا ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے ایک شخص ایک ٹوپی لایا،

---

(۱) سورۂ اعراف: ۳۲ (۲) جہلاء کے لفظ سے محققین صوفیا سے احتراز ہے کہ انہوں نے بطور معالجہ کے مریدین سے بعض مباحات کو چند روز تک ترک کرایا ہے۔ ۱۲ جامع (۳) دنیا کی نعمتوں سے کیا واسطہ (۴) اقتدار کی محبت (۵) حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں۔

چھینٹ کی ٹوپی تھی اور قند کی اس پر گوٹ لگی ہوئی تھی (۱) اور گوٹہ اس پر ٹکا ہوا تھا دیہاتی بیچارے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ تمیز تو ان کو ہوتی نہیں کہ کون شئے کس کے لائق ہے (۲)۔

حکایت

اس پر ایک اور حکایت یاد آئی ایک رسمی پیر کسی گاؤں میں اپنے مریدوں میں پہنچے ایک چوپال میں ان لوگوں نے ٹھہرایا اور ان کا سامان اسباب وغیرہ مکان پر بھیج دیا۔ گاؤں والوں کے یہاں بڑی چیز دودھ کی کھیر ہے چنانچہ پیر کے واسطے دودھ کی کھیر تیار کی اب فکر ہوئی کہ برتن تو ہمارے یہاں عمدہ موجود نہیں کس چیز میں لے جاویں اتفاق سے پیر کے اسباب میں مرادآبادی اگالدان چمکدار اور سلفچی (۳) بھی موجود تھی گاؤں والوں نے ایسے چمکدار برتن کب دیکھے تھے اور نہ بیچاروں کو یہ خبر تھی کہ یہ برتن کس کام کے لئے ہیں ان میں کھیر بھری اور پیر کے سامنے لائے۔ پیر نے بہت گالیاں دیں، تو ایسے ہی وہ دیہاتی حضرت کے واسطے چھینٹ کی ٹوپی قند کی گوٹ اور گوٹہ لگا کر لایا حضرت کے اخلاق اور دلجوئی ملاحظہ فرمائیے کہ اُسی وقت اپنی ٹوپی اُتار لی اور اُس کے سامنے اس کی خوشی کے واسطے وہ ٹوپی پہن لی اور خشک متقی ہوتے تو وضع کے خلاف ہرگز نہ کرتے۔ حضرت کیسے وضع اور کیسا فیشن مسلمانوں کی وضع تو اتباع احکام ہے بقول کسی کے ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو　　دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو (۴)

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد صاحب استاد العلماء حضرت مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے ایک شخص دھوتر کا کرتہ (۵) لایا حضرت نے فوراً پہن لیا لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی، فرمایا کہ وہ خوش ہوگا۔

---

(۱) رنگین چھپے ہوئے کپڑے کی ٹوپی تھی سرخ پکے رنگ کا اس پر حاشیہ لگا ہوا تھا (۲) کونسی چیز کس کے لئے مناسب ہے (۳) پان کی پیک تھوکنے کا برتن اور ہاتھ دھونے کا برتن (۴) ''اگر تو زندہ کرے تو یہ تیری عطا ہے اور تو مار دے تو بھی ہم تجھ پر فدا ہیں۔ دل تیرا عاشق ہو چکا ہے اب جو چاہے تو کر'' (۵) ایک قسم کا موٹا اور کھردرا کپڑا۔

ہمارے حضرت ہدیہ یہ سمجھ کر کھاتے تھے کہ اس کی دلجوئی ہوگی۔

غرض مباحات میں ہم کو بھی تنگی نہیں کرنی چاہیئے اور راز اس میں یہ ہے کہ اس تناول مباح میں ایک شان افتقار وانکسار کی ہے(۱) جو کہ مطلوب ہے اور ترک وتضیق میں شائبہ استغنا کا ہے(۲) جو کہ پسندیدہ نہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے بعد فرماتے تھے: ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا غَیرَ مُسْتَغْنِیْ عَنْہُ رَبَّنَا))(۳)۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾(۴) اور ارشاد ہے: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا﴾(۵) شان نزول اس کا یہ ہوا تھا کہ چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے بعض امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن سے آپ کی شب کے حالات سے سوال کیا انہوں نے بیان فرمایا۔ انہوں نے سن کر اپنے خیال میں اس کو قلیل(۶) سمجھ کر کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو ارفع ہے(۷) آپ کو تو اتنی بھی ضرورت نہیں آپ کی شان تو یہ ہے: ﴿لِّیَغْفِرَلَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾(۸) اور ہم کو زیادہ ضرورت ہے اس لئے ان میں سے ایک نے تو یہ قسم کھالی کہ میں تمام عمر روزہ رکھا کروں گا، ایک نے قسم کھائی کہ میں نکاح نہ کروں گا، ایک نے قسم کھائی کہ میں رات کو نہ سوؤں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے اور یہ سب قصہ سنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں روزہ بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں سوتا بھی ہوں جاگتا بھی ہوں ((وَذٰلِکَ مِنْ سُنَّتِیْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّی)) یعنی ''یہ سب میری سنت سے ہے اور جو شخص میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے'' ایک خرابی تو مباحات کے

(۱) فقر وعاجزی کی شان ہے (۲) اس کے ترک کرنے اور تنگ دل ہونے میں استغناء کا شبہ ہے (۳) تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اے ہمارے رب ہم آپ کے رزق سے مستغنی نہیں ہیں (۴) سورۂ اعراف: ۳۲ (۵) ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تمہارے واسطے حلال کیں ہیں اُن میں لذیذ چیزوں کو حرام مت کرو اور حدود سے آگے مت نکلو'' سورۂ مائدہ: ۸۷ (۶) کم سمجھا (۷) بہت بلند ہے (۸) ''تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے'' سورۂ فتح: ۲۔

ترک میں یہ تھی کہ اس سے حق تعالیٰ کی نعمتوں سے استغنا کا شائبہ ہوتا ہے۔

دوسری خرابی اور ہے وہ یہ ہے کہ مباحات کے ترک سے بھی دل میں قساوت پیدا ہوجاتی ہے(۱) بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جو شخص چالیس دن برابر گوشت کھاوے اس کے دل میں بھی قساوت ہوجاتی ہے اور جو نہ کھاوے اُس کے دل میں بھی اس لئے کہ جو ترک کرتا ہے اس کے دل میں عجب پیدا ہوجاتا ہے اور وہ بھی منافی خشوع ہے اسی آیت سے میں اس کو بھی ناجائز کہتا ہوں کیونکہ مقصود تو آیت سے ایسے امر کا مذموم بتلانا ہے جس سے خشوع سے بُعد ہوتا ہو۔ خواہ وہ توسع فی المباح ہو یا تضیق فی المباح ہو(۲) گو شان نزول خاص ہو۔

اور لیجئے دوسری حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام کیا فتنزہ اقوام یعنی بعض بعض قومیں اس کام سے بچیں ((فخطب وقال ما بال اقوام یتنزھون عن شئی اصنعہ وانا واللّٰہ اخشاکم للّٰہ واتقاکم للّٰہ)) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور ’’خطبہ پڑھا اور یہ فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ میرے فعل سے بچتے ہیں حالانکہ میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سے زیادہ متقی ہوں‘‘ پس اگر یہ تنگی کرنا ناپسند نہ تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناخوش کیوں ہوئے اگر کوئی شبہ کرے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم تو یہ افعال ترک نوم و ترک افطار وغیرہ اپنا درجہ کم سمجھ کر اختیار کرنا چاہتے تھے پھر اس پر اس قدر انکار کیوں؟ فرمایا بات یہ ہے کہ مباح کو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی وجہ سے اختیار کرتے اور ان اعمال کو اپنی رائے سے پہلی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع تھا اور دوسری صورت میں اپنی رائے کا۔ اور ظاہر ہے کہ جو برکت اور قرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں ہے وہ اپنی رائے سے کسی عمل کے اختیار کرنے میں کیسے ہوسکتا ہے، دوسرے اس سے وسوسہ ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اختیار مرجوح(۳) کا الحاصل

(۱) سخت دلی پیدا ہوتی ہے (۲) چاہے وہ مباح میں وسعت کرکے ہو یا تنگی کرکے (۳) آپ نے بہتر کو ترک کیا اور کم تر کو اختیار کیا۔

مباحات میں نہ اس قدر تنگی کرنا چاہیئے اور نہ اتنی وسعت، توسط محمود ہے۔

خلاصہ مقصود

یہ ہے وہ مضمون جو میں نے اس آیت سے استنباط کیا ہے جو باحسن وجوہ بفضلہٖ تعالیٰ بیان ہوگیا ہے[۱] اور اس کو اس معنی کر علوم مخفیہ اور اسرار میں سے کہہ سکتے ہیں کہ کانوں میں اب تک نہیں پڑا تھا۔ اب میں بقیہ آیت کی تفسیر بقدر ضرورت کر کے اس بیان کو ختم کرتا ہوں۔

بقیہ آیت کی تفسیر اور معالجہ قساوت

جبکہ آیت سے بعموم لفظ یہ مضمون معلوم ہوا کہ مباحات کے اندر افراط اور تفریط سے قساوت[۲] پیدا ہوتی ہے تو سننے والوں کو فکر ہوئی کہ ہمارے اندر تو قساوت بہت پیدا ہوگئی اب اس کا کیا علاج ہو، حق تعالیٰ اس کا معالجہ ارشاد فرماتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے: ﴿اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ؕ قَدۡ بَیَّنَّا لَکُمُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ﴾[۳]۔ مطلب یہ ہے کہ گو تمہارے قلب کی حیات معاصی اور مباحات کے کثرت استعمال سے ضعیف ہوگئی ہے[۴] لیکن تم ناامید نہ ہو اس کی تدبیر اور علاج ہے کہ اس کے استعمال سے وہ دولت پھر عود کر سکتی ہے اور وہ تدبیر مجاہدہ ریاضات اور کثرت ذکر و شغل اور کثرت مراقبات ہے اس تدبیر سے قلب کی حیات رفتہ پھر عود کر آئے گی اور اس کا نمونہ موجود ہے وہ یہ ہے کہ دیکھو زمین بالکل خشک ہوجاتی ہے کہ خشک ہو جانا بمنزلہ موت کے ہے پھر حق تعالیٰ اس کو سرسبز و شاداب فرمادیتے ہیں جو بمنزلہ اس کی حیات کے ہے اور قاعدہ ہے کہ نمونہ کے حال سے ذی

(۱) اللہ کے فضل و کرم سے خوب اچھی طرح بیان ہوگیا ہے (۲) سخت دلی (۳) ''کہ جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کر دیتے ہیں۔ بے شک بیان کر دیں ہم نے نشانیاں شاید کہ تم سمجھو'' سورۂ حدید: ۱۷ (۴) اگرچہ تمہارے دل کی حیات گناہوں اور مباحات کے استعمال سے کمزور ہوچکی ہے۔

نمونہ کا حال معلوم ہوا کرتا ہے تو نمونہ یعنی زمین کے اندر دیکھو کہ کیا کیا تدبیریں کیجاتی ہیں جس سے وہ زندہ ہوجاتی ہے جو تدبیر اس کی زندگی کی ہے اسی کے مشابہ قلب کی حیات کی تدبیریں ہوں گی۔ زمین کو اول کھودتے ہیں اس میں حل چلاتے ہیں یہاں اس کے مشابہ مجاہدہ ریاضت ہے تخم پاشی کرتے ہیں یہاں ذکر تخم ڈالو جب اس میں کھیتی جم جاتی ہے تو اس کی نگہداشت کی جاتی ہے یہاں بھی جب قلب میں کوئی دولت پیدا ہوجائے تو اس کی حفاظت کرو جس کو مراقبہ کہا جاتا ہے۔ زمین میں پانی ڈالتے ہیں تاکہ کھیتی بڑھے یہاں پانی توبہ کا اور اخلاق حمیدہ کا دو، اور ناامیدی مت کرو تدبیر کرو جس طرح خشک زمین تدابیر سے سرسبز وشاداب ہوگئی ہے اسی طرح تمہارا قلب بھی تدبیر سے زندہ ہوجائیگا۔

خلاصۂ وعظ

حاصل تمام تقریر کا یہ ہوا کہ معاصی کے علاوہ قساوت کے دو سبب اور ہیں مباحات کے اندر وسعت کرنا اور مباحات میں حد سے زیادہ تنگی کرنا۔ اور معالجہ استغفار اور مجاہدہ وذکر ہے۔

اب حق تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق عطا فرمادیں (۱)۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین وصلی اللّٰہ تعالیٰ وسلم علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا ومولانا محمد وعلٰی اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین

---

(۱) اللہ تعالیٰ تمام مستفیدین وعظ کو مباحات میں کمی اور زیادتی دونوں باتوں سے محفوظ رکھے اور حضور ﷺ کی سنت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

یکم شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ